ماہنامہ السنۃ، جہلم شمارہ نمبر 46، 47، 48

رمضان، شوال، ذی قعدہ 1433ھ، بمطابق اگست، ستمبر، اکتوبر 2012ء

نجدِ حجاز و عراق صحیح احادیث کی روشنی میں

غلام مصطفیٰ ظہیر امن پوری

ہمارے ہاں نجد سے متعلق عجیب وغریب باتیں سنائی دیتی ہیں۔بعض لوگ نجدِ عراق کے بارے میں مروی صحیح احادیث کی مراد میں تلبیس سے کام لیتے ہوئے انہیں نجدِ حجاز پر منطبق کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یوں شیخ محمد بن عبدالوہاب رحمہ اللہ کی توحید پر مبنی اصلاحی تحریک کو نجد کا فتنہ قرار دیتے ہیں۔ان صحیح احادیث کی حقیقی مراد کیا ہے؟ پرفتن نجد کون سا ہے؟ اس میں پھوٹنے والے فتنے کون سے ہیں؟ شیخ محمد بن عبد الوہاب رحمہ اللہ کے بارے میں مذکورہ لاف زنی کی کیا حقیقت ہے؟اس مضمون میں غیر جانبداری سے ان امور کا جائزہ لیا جائے گا۔

اس تحقیقی مضمون کا خاکہ کچھ یوں ہے کہ سب سے پہلے نجد کے پُرفتن ہونے کے بارے میں مروی وہ احادیث مع ترجمہ ذکر کی جائیں گی جو محدثین کے اصول کے مطابق بالکل صحیح ہیں۔پھر کچھ صحیح احادیث ہی کے ذریعے ان صحیح احادیث کی تفسیر وتشریح کی جائے گی۔آخر میں مسلمہ فقہائے کرام،معروف شراحِ حدیث اور نامور اہل علم کے اقوال کی روشنی میں اس تحقیق کی تائید پیش کی جائے گی۔

آیئے سب سے پہلے نجد کے بارے میں صحیح احادیث ملاحظہ فرمائیں:

حدیث نمبر ①: سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا، اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا»، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَفِي نَجْدِنَا ؟ قَالَ : «اَللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا، اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا»، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَفِي نَجْدِنَا ؟ فَأَظُنُّهُ قَالَ فِي الثَّالِثَةِ : «هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ».

”اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام کو بابرکت بنا دے، اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے یمن کو بابرکت بنا دے۔صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد میں؟ فرمایا:

اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے شام اور یمن میں برکت دے۔ صحابہ کرام نے پھر عرض کی: اے اللہ کے رسول! اور ہمارے نجد میں بھی؟ میرے خیال میں تیسری مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا: وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے۔ شیطان کا سینگ بھی وہیں طلوع ہو گا۔'' (مسند الإمام أحمد: 118/2، صحيح البخاري: 1051/2، ح: 7094، سنن الترمذي: 3953)

حدیث نمبر ② : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے روایت ہے:

إِنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ مُسْتَقْبِلُ الْمَشْرِقِ، يَقُولُ: «أَلَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ».

''انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سنا، آپ مشرق کی طرف رُخ کیے ہوئے فرما رہے تھے: آگاہ رہو، فتنہ یہیں سے رونما ہو گا، یہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔''

(صحيح البخاري: 1050/2، ح: 7093، صحيح مسلم: 394/2، ح: 2905)

حدیث نمبر ③ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی راوی ہیں:

إِنَّهُ قَامَ إِلٰى جَنْبِ الْمِنْبَرِ، فَقَالَ: «الْفِتْنَةُ هَاهُنَا، الْفِتْنَةُ هَاهُنَا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُع قَرْنُ الشَّيْطَانِ».

''آپ ﷺ منبر کی ایک جانب کھڑے ہوئے اور فرمایا: فتنہ یہیں سے ابھرے گا، فتنہ یہیں سے ابھرے گا اور یہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔''

(صحيح البخاري: 1050/2، ح: 7092، صحيح مسلم: 394/2، ح: 2905[47])

صحیح مسلم کی روایت کے الفاظ یہ ہیں: إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ، وَهُوَ مُسْتَقْبِلَ الْمَشْرِقِ،: «هَا! إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، هَا! إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ».

''رسول اللہ ﷺ نے مشرق کی طرف رُخ کیے ہوئے فرمایا: خبردار! فتنے یہاں سے رونما ہوں گے اور شیطان کا سینگ بھی یہیں سے طلوع ہو گا۔''

حدیث نمبر ۴ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی سے مروی ہے:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُ إِلَى الْمَشْرِقِ، فَقَالَ : «هَا ! إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ» .

''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔آپ نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: یاد رکھو! فتنہ یہیں سے نمودار ہوگا اور شیطان کا سینگ بھی یہیں سے طلوع ہوگا۔''

(المؤطّأ للإمام مالك : 975/2، صحيح البخاري : 463/1، ح : 3279)

حدیث نمبر ۵ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ، : «هَاهُنَا الْفِتْنَةُ، هَاهُنَا الْفِتْنَةُ، حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ» .

''میں نے نبی اکرم ﷺ کو مشرق کی طرف اشارہ کر کے یہ فرماتے ہوئے سنا: فتنے یہیں سے نمودار ہوں گے اور یہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔''

(مسند الإمام أحمد : 111/2، وسندهٗ حسنٌ)

حدیث نمبر ۶ : سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ» .

''کفر کا منبع مشرق کی جانب ہے۔''

(صحيح البخاري : 466/1، ح : 3301، صحيح مسلم : 53/1، ح : 52)

صحیح احادیث کی تفسیر صحیح احادیث سے

قارئین کرام! آپ نے ان چھ صحیح احادیث کا مطالعہ کرلیا ہے۔اب ان میں نجد مشرق سے کیا مراد ہے؟ ہم یہ مراد بھی صحیح احادیث ہی سے واضح کرتے ہیں:

حدیث نمبر ۱ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُشِيرُ بِيَدِهِ، يَؤُمُّ الْعِرَاقَ، «هَا !

إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، هَا إِنَّ الْفِتْنَةَ هَاهُنَا، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ» . ''میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا۔آپ اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ عراق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرما رہے تھے: خبردار! فتنہ یہیں سے نمودار ہو گا، خبردار! فتنہ یہیں سے نمودار ہو گا، خبردار! فتنہ یہیں سے نمودار ہو گا اور یہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔''(مسند الإمام أحمد : 143/2، ح : 6302، وسندهٗ صحيحٌ)

حدیث نمبر ② :

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی کا بیان ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے ارشادفرمایا: «اَللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَكَّتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي يَمَنِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَمُدِّنَا»، فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَفِي عِرَاقِنَا، فَأَعْرَضَ عَنْهُ، فَقَالَ : «فِيهَا الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ» .

''یااللہ! ہمارے لیے ہمارے مدینہ کو بابرکت بنا دے، ہمارے لیے ہمارے مکہ کو بابرکت بنا دے، ہمارے لیے ہمارے یمن کو بابرکت بنا دے، ہمارے صاع (قریباً 2.099 کلوگرام کا پیمانہ) اور مد (قریباً 524.88 گرام کا پیمانہ) میں برکت دے۔ایک شخص نے کہا: اللہ کے رسول! ہمارے عراق کے بارے میں بھی دُعا فرمائیے۔آپ ﷺ نے اس کی طرف التفات نہ کرتے ہوئے فرمایا: وہاں تو زلزلے اور فتنے بپا ہوں گے۔وہیں پر شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔''

(مسند الشاميّين للطبراني : 1276، المعرفة والتاريخ للحافظ يعقوب بن سفيان الفسوي : 747/2، 748، المخلّصيّات : 196/2، ح : 1341، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 133/6، تاريخ ابن عساكر :131/1، وسندهٗ صحيحٌ)

حدیث نمبر ③ :

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہی بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: «اَللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا، وَفِي مُدِّنَا» فَرَدَّدَهَا

ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، فَقَالَ الرَّجُلُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَلِعِرَاقِنَا، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ :«بِهَا الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَمِنْهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ» .

''اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے صاع اور مد میں برکت دے۔ آپ ﷺ نے یہ بات تین مرتبہ فرمائی۔ ایک شخص نے کہا: ہمارے عراق کے لیے بھی دُعا فرمایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تو زلزلوں اور فتنوں کی سرزمین ہے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 384/12، ح : 13422، المعرفة والتاريخ للفسوي : 747/2، مسند البزّار :5881، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 133/6، وسندهٗ صحيحٌ)

حدیث نمبر ④ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے :

صَلَّى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَاةَ الْفَجْرِ، فَأَقْبَلَ عَلَى الْقَوْمِ، فَقَالَ : «اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا، اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا وَيَمَنِنَا»، فَقَالَ رَجُلٌ : وَالْعِرَاقَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَسَكَتَ، ثُمَّ قَالَ : «اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مُدِّنَا وَصَاعِنَا، اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي حَرَمِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا وَيَمَنِنَا»، فَقَالَ رَجُلٌ : وَالْعِرَاقَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ : «مِنْ ثَمَّ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ، وَتَهِيجُ الْفِتَنُ» .

''نبی اکرم ﷺ نے فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد لوگوں کی طرف رُخ مبارک کیا اور فرمایا: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے مدینہ کو بابرکت بنا دے، ہمارے مد اور صاع میں برکت دے، ہمارے شام اور یمن کو بابرکت بنا۔ ایک آدمی نے کہا : اللہ کے رسول! عراق کے لیے بھی دُعا کیجیے۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے، پھر فرمایا : اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے مدینہ کو بابرکت بنا دے، ہمارے مد اور صاع میں برکت دے، اے اللہ! ہمارے حرم کو برکت والا بنا اور شام اور یمن کو بھی بابرکت بنا۔ آدمی نے پھر کہا : اللہ کے رسول! عراق کے لیے بھی دُعا کیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا : وہاں سے تو شیطان کا سینگ طلوع ہو گا اور فتنے

رونما ہوں گے۔‘‘(المعجم الأوسط للطبراني : 4098، فضائل الشأم ودمشق لأبي الحسن الربعي، ص :11، ح : 20، تاريخ الرقة لأبي علي القشيري، ص : 95، ح : 145، تاريخ دمشق لابن عساكر :132/1، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث کے راویوں کے بارے میں حافظ ہیثمی (735-807ھ)فرماتے ہیں :

رِجَالُهٗ ثِقَاتٌ .　　　　　’’اس کے سارے راوی ثقہ ہیں۔‘‘

(مجمع الزوائد ومنبع الفوائد : 305/3)

اس کے راوی زیاد بن بیان کو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ)نے’’صدوق عابد‘‘ قرار دیا ہے۔(تقريب التهذيب : 2057)

اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ)فرماتے ہیں :

صَدُوقٌ، قَانِتٌ .　　’’یہ سچا اور نیک شخص ہے۔‘‘(الكاشف :275/1، الرقم : 1687)

امام نسائی رحمہ اللہ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے:　　لَيْسَ بِهٖ بَأْسٌ .

’’اس میں کوئی حرج نہیں۔‘‘

(ميزان الاعتدال للذهبي : 87/2، تهذيب التهذيب لابن حجر : 256/3)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے اپنی کتاب’’الثقات(247/8)‘‘میں ذکر کر کے فرمایا ہے:

كَانَ شَيْخًا صَالِحًا .　　　　’’یہ نیک شیخ تھا۔‘‘

شیخ ابوملیح حسن بن عمر رقّی نے ان کی تعریف کی ہے۔

(التاريخ الكبير للبخاري : 346/3، وسندهٗ صحيحٌ)

علامہ ابن خلفون نے اسے اپنی کتاب’’الثقات‘‘ میں ذکر کیا ہے۔

(إكمال تهذيب الكمال للمغلطائي : 97/5)

ایسے راوی کی روایت’’حسن‘‘ درجے سے کم نہیں ہوتی۔

حدیث نمبر ⑤ :　　سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:　«اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا، اللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي

يَمَنِنَا»، فَقَالَهَا مِرَارًا، فَلَمَّا كَانَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَفِي عِرَاقِنَا، قَالَ : «[إِنَّ] بِهَا الزَّلَازِلَ وَالْفِتَنَ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ»

''اے اللہ! ہمارے شام کو بابرکت بنا دے،اللہ! ہمارے یمن کو بابرکت بنا دے۔ آپ ﷺ نے یہ بات کئی مرتبہ فرمائی۔جب تیسری یا چوتھی مرتبہ ہوئی تو لوگوں نے کہا: اللہ کے رسول! ہمارے عراق کے لیے بھی دُعا فرمایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: عراق تو زلزلوں اور فتنوں کی سرزمین ہے۔یہیں پر شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 293/12، ح : 13422، مسند البزّار : 5880، وسندهٗ حسنٌ)

حدیث نمبر ⑥ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے :

إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ قَالَ : «اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا وَيَمَنِنَا»، مَرَّتَيْنِ، فَقَالَ الرَّجُلُ : وَفِي مَشْرِقِنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مِنْ هُنَالِكَ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ، وَبِهَا تِسْعَةُ أَعْشَارِ الشَّرِّ» .

''رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے اللہ! ہمارے شام اور یمن میں خیروبرکت فرما۔یہ دُعا آپ ﷺ نے دو مرتبہ فرمائی۔ایک نے عرض کی: اللہ کے رسول! ہمارے مشرق کے بارے میں بھی دُعا فرمایئے۔آپ ﷺ نے فرمایا: وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا اور دنیا کا نوے فی صد شر وہیں پر ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 90/2، وسندهٗ حسنٌ)

اس کے راوی عبیداللہ بن میمون کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مَعْرُوفُ الْحَدِيثِ . ''اس کی حدیث معروف ہے۔''

(التاريخ الكبير : 388/3، ت : 1247)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: صَالِحُ الْحَدِيثِ .

''اس کی حدیث حسن ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 322/5)

حدیث نمبر ⑦ : نافع تابعی رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یوں دُعا فرمائی: [اَللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا وَيَمَنِنَا]، قَالَ : قَالُوا : وَفِي نَجْدِنَا، فَقَالَ : قَالَ : [اللّٰهُمَّ ! بَارِكْ لَنَا فِي شَأْمِنَا وَفِي يَمَنِنَا]، قَالَ : قَالُوا : وَفِي نَجْدِنَا، قَالَ : قَالَ : [هُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ] . ''اے اللہ! ہمارے شام اور یمن میں برکت فرما۔کچھ لوگوں نے کہا: ہمارے نجد کے بارے میں بھی دُعا فرمایئے۔انہوں نے فرمایا: اے اللہ! ہمارے شام اور یمن میں برکت فرما۔لوگوں نے پھر کہا: ہمارے نجد کے بارے میں بھی دُعا فرمایئے۔انہوں نے فرمایا: وہاں تو زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں پر شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔''

(صحيح البخاري : 141/1، ح : 1037)

صحیح بخاری کی ایک حدیث ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اس میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما یہ الفاظ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل فرماتے ہیں۔اس روایت میں اگرچہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں، لیکن یہ بھی حکماً مرفوع ہے۔

اس بارے میں شارحِ بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں :

هٰكَذَا وَقَعَ فِي هٰذِهِ الرِّوَايَاتِ الَّتِي اتَّصَلَتْ لَنَا بِصُورَةِ الْمَوْقُوفِ عَنِ ابْنِ عُمَر، قَالَ : [اللّٰهُمَّ بَارِكْ ---]، لَمْ يَذْكُرِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَقَالَ الْقَابِسِيُّ : سَقَطَ ذِكْرُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النُّسْخَةِ، وَلَا بُدَّ مِنْهُ، لِأَنَّ مِثْلَهٗ لَا يُقَالُ بِالرَّأْيِ . ''جو روایات ہمارے پاس سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف صورت میں پہنچی ہیں، ان میں اسی طرح ہے کہ انہوں نے خود یہ دُعا کی ہے، اس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا۔قابسی کہتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر صحیح بخاری کے نسخے سے گر گیا ہے۔یہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر ضروری ہے، کیونکہ ایسی بات کوئی صحابی اپنے قیاس سے نہیں کہہ سکتا۔''(فتح الباري : 522/2)

حدیث نمبر ⑧ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے صاحبزادے سالم رحمہ اللہ نے عراق والوں کو مخاطب کر کے فرمایا: يَا أَهْلَ الْعِرَاقِ ! مَا أَسْأَلَكُمْ عَنِ الصَّغِيرَةِ وَأَرْكَبَكُمْ لِلْكَبِيرَةِ ! سَمِعْتُ أَبِي عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ عُمَرَ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : «إِنَّ الْفِتْنَةَ تَجِيءُ مِنْ هٰهُنَا، ـ وَأَوْمَأَ بِيَدِهِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ ـ مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنَا الشَّيْطَانِ» .

''عراق کے باشندو! تعجب خیز بات ہے کہ ایک طرف تم چھوٹے چھوٹے مسائل بہت پوچھتے ہو اور دوسری طرف کبیرہ گناہوں کے ارتکاب میں اتنے دلیر ہو! میں نے اپنے والد سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا : فتنہ یہاں سے آئے گا اور یہیں سے شیطان کے سینگ طلوع ہوں گے، ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ مبارک کے ساتھ مشرق کی طرف اشارہ فرمایا۔''

(صحیح مسلم : 394/2، ح : 2905[50])

حدیث نمبر ⑨ : سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا بیان ہے :

خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ بَيْتِ عَائِشَةَ، فَقَالَ : «رَأْسُ الْكُفْرِ مِنْ هٰهُنَا، مِنْ حَيْثُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ، يَعْنِي الْمَشْرِقَ» .

''اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر سے نکلے تو فرمایا : مشرق کفر کا سرچشمہ ہے، وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔'' (صحیح مسلم : 394/2، ح : 2905[48])

حدیث نمبر ⑩ : بدری صحابی سیدنا ابومسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مشرق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا :

«مِنْ هٰهُنَا جَاءَتِ الْفِتَنُ، نَحْوَ الْمَشْرِقِ» .

''فتنے مشرق ہی کی طرف سے آئیں گے۔'' (صحیح البخاري : 496/1، ح : 3498)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ . (یہ پوری دس دلیلیں ہیں)

صحیح احادیث کی تفسیر اہل علم سے

لغوی طور پر ''نجد'' بلند علاقے کو کہتے ہیں۔اس لحاظ سے دنیا میں بہت سارے نجد ہیں،لیکن مذکورہ احادیث میں ''نجد'' کی تشریح ''مشرق'' اور ''عراق'' سے ہوئی ہے۔ثابت ہوا کہ جو نجد فتنوں کی آماجگاہ ہے اور جہاں سے شیطان کا سینگ نمودار ہوگا،وہ مشرق کی سمت ہے اور اس سے مراد عراق ہی ہے۔صحیح احادیثِ نبویہ پکار پکار کر یہی بتا رہی ہیں۔صحابہ و تابعین کا بھی یہی خیال تھا۔اسی بارے میں مشہور لغوی ابن منظور افریقی (630-711ھ) لکھتے ہیں:

مَا ارْتَفَعَ مِنْ تِهَامَةَ إِلٰى أَرْضِ الْعِرَاقِ، فَهُوَ نَجْدٌ .

''تہامہ کی حدود سے لے کر عراق تک جو بلند جگہ ہے،وہ نجد ہے۔''(لسان العرب : 413/3)

احادیثِ نبویہ کا لغوی حل کرنے والے مشہور لغوی ابن اثیر (544-606ھ) لکھتے ہیں:

وَالنَّجْدُ : مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْأَرْضِ، وَهُوَ اسْمٌ خَاصٌّ لِّمَا دُونَ الْحِجَازِ، مِمَّا يَلِي الْعِرَاقَ . ''نجد بلند زمین کو کہتے ہیں۔یہ حجاز کے باہر عراق سے ملحقہ علاقے کا خاص نام ہے۔''(النهاية في غريب الحديث والأثر : 19/5)

علامہ خطابی رحمہ اللہ (319-388ھ) ''نجد'' کی توضیح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ كَانَ نَجْدُهُ بَادِيَةَ الْعِرَاقِ وَنَوَاحِيَهَا، وَهِيَ مَشْرِقُ أَهْلِهَا، وَأَصْلُ النَّجْدِ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْأَرْضِ، وَالْغَوْرُ مَا انْخَفَضَ مِنْهَا، وَتِهَامَةُ كُلُّهَا مِنَ الْغَوْرِ، وَمِنْهَا مَكَّةُ، وَالْفِتْنَةُ تَبْدُو مِنَ الْمَشْرِقِ، وَمِنْ نَّاحِيَتِهَا يَخْرُجُ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَالدَّجَّالُ، فِي أَكْثَرِ مَا يُرْوٰى مِنَ الْأَخْبَارِ .

''مدینہ والوں کا نجد عراق اور اس کے نواح کا علاقہ ہے۔یہ مدینہ والوں کے مشرق میں واقع ہے۔نجد کا اصلی معنیٰ بلند زمین ہے۔نشیبی علاقے کو غور کہتے ہیں۔تہامہ کا سارا علاقہ غور ہے۔مکہ بھی اسی غور میں واقع ہے۔اکثر روایات کے مطابق فتنے کا ظہور مشرق سے ہوگا،اسی جانب سے یاجوج ماجوج نکلیں گے اور یہیں سے دجال رونما ہوگا۔''

(إعلام الحديث للخطابي : 1274/2۔ ط ۔ المغربيّة)

امام اندلس حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) لکھتے ہیں:

إِشَارَةُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ ـ إِلٰى نَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ بِالْفِتْنَةِ لِأَنَّ الْفِتْنَةَ الْكُبْرَى الَّتِي كَانَتْ مِفْتَاحَ فَسَادِ ذَاتِ الْبَيْنِ، هِيَ قَتْلُ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَهِيَ كَانَتْ سَبَبَ وَقْعَةِ الْجَمَلِ، وَحُرُوبِ صِفِّينَ، كَانَتْ فِي نَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ، ثُمَّ ظُهُورُ الْخَوَارِجِ فِي أَرْضِ نَجْدٍ وَّالْعِرَاقِ وَمَا وَرَاءَ هَا مِنَ الْمَشْرِقِ.

''واللہ اعلم! رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فتنے کے حوالے سے اشارہ مشرق کی طرف اس لیے تھا کہ سب سے بڑا فتنہ جو دائمی فساد کا سبب بنا، وہ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی شہادت تھی، یہی واقعہ جنگ جمل اور جنگ صفین کا سبب بنا۔ یہ سارے معاملات مشرق کی جانب سے رونما ہوئے۔ پھر خوارج کا ظہور بھی نجد کی زمین، یعنی عراق اور اس کے نواحی علاقوں میں ہوا۔''

(الاستذکار: 519/8)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبد الملک المعروف بہ ابن بطال (م: 449ھ) لکھتے ہیں:

قَالَ الْخَطَّابِيُّ: الْقَرْنُ فِي الْحَيَوَانِ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِيمَا لَا يُحْمَدُ مِنَ الْأُمُورِ، كَقَوْلِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْفِتْنَةِ وَطُلُوعِهَا مِنْ نَّاحِيَةِ الْمَشْرِقِ: «وَمِنْهُ يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ»، وَقَالَ فِي الشَّمْسِ: إِنَّهَا تَطْلُعُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ، وَالْقَرْنُ: الْأُمَّةُ مِنَ النَّاسِ يُحْدَثُونَ بَعْدَ فَنَاءِ آخَرِينَ، قَالَ الشَّاعِرُ:

مَضَى الْقَرْنُ الَّذِي أَنْتَ مِنْهُمْ ـــــ وَخَلَفْتَ فِي قَرْنٍ فَأَنْتَ غَرِيبٌ

وَقَالَ غَيْرُهٗ: كَانَ أَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ أَهْلَ كُفْرٍ، فَأَخْبَرَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْفِتْنَةَ تَكُونُ مِنْ تِلْكَ النَّاحِيَةِ، وَكَذٰلِكَ كَانَتِ الْفِتْنَةُ الْكُبْرَى الَّتِي كَانَتْ مِفْتَاحَ فَسَادِ ذَاتِ الْبَيْنِ، وَهِيَ مَقْتَلُ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَكَانَتْ سَبَبَ وَقْعَةِ الْجَمَلِ وَصِفِّينَ، ثُمَّ ظُهُورُ الْخَوَارِجِ فِي أَرْضِ نَجْدٍ

وَّالْعِرَاقِ وَمَا وَرَاءَ هَا مِنَ الْمَشْرِقِ، وَمَعْلُومٌ أَنَّ الْبِدَعَ إِنَّمَا ابْتَدَأَتْ مِنَ الْمَشْرِقِ، وَإِنَّ الَّذِينَ اقْتَتَلُوا بِالْجَمَلِ وَصِفِّينَ، بَيْنَهُمْ كَثِيرٌ مِّن أَهْلِ الشَّامِ وَالْحِجَازِ، فَإِنَّ الْفِتْنَةَ وَقَعَتْ فِي نَاحِيَةِ الْمَشْرِقِ، وَكَانَ سَبَبًا إِلَى افْتِرَاقِ كَلِمَةِ الْمُسْلِمِينَ، وَفَسَادِ نِيَّاتِ كَثِيرٍ مِّنْهُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ يُحَذِّرُ مِنْ ذٰلِكَ وَيُعْلِمُهُ قَبْلَ وُقُوعِهٖ، وَذٰلِكَ دَلِيلٌ عَلٰى نَبُوَّتِهٖ .

''حیوان کے سینگ کی مثال قبیح امور میں دی جاتی ہے،جیسا کہ مشرق کی جانب سے فتنے کے رونما ہونے کے بارے میں نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ اسی طرف سے شیطان کا سینگ طلوع ہوگا۔اسی طرح آپ ﷺ نے سورج کے بارے میں فرمایا کہ وہ شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہوتا ہے۔سینگ سے مراد لوگوں کی وہ جماعت ہے جو ایک نسل کے گزر جانے کے بعد آتے ہیں۔ایک شاعر نے کہا ہے کہ جب تیرے ہم عصر لوگ فوت ہو جائیں اور تُو رہ جائے تو اس وقت تُو اجنبی ہے۔ایک اہل علم کا کہنا ہے کہ مشرق والے اس دور میں کافر تھے۔اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دے دی تھی کہ فتنہ اسی سمت سے اٹھے گا۔ بالکل ایسے ہی ہوا کہ سب سے بڑا فتنہ جو دائمی فساد کا باعث بنا،وہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت والا واقعہ تھا۔یہی واقعہ بعد میں جنگ جمل اور صفین کا باعث بنا۔پھر خوارج کا ظہور بھی نجد،عراق اور اس کے نواحی علاقوں میں ہوا۔یہ سارے علاقے مشرق میں ہیں۔سب کو یہ بھی معلوم ہے کہ بدعات کا آغاز بھی مشرق ہی سے ہوا۔جنگ جمل اور صفین میں جن لوگوں نے شرکت کی تھی،ان کی بڑی تعداد شام اور حجاز سے تھی،لہٰذا یہ فتنہ بھی مشرق ہی میں رونما ہوا۔یہ سانحات قیامت تک مسلمانوں کے افتراق اور ان کے ایک بڑے گروہ کے نفاق کا باعث بن گئے۔اللہ کے رسول ﷺ نے اس فساد کے وقوع سے پہلے ہی اس بارے میں آگاہی دے کر اس سے متنبہ کر دیا۔یہ بات نبی اکرم ﷺ کی نبوت کی بہت بڑی نشانی ہے۔''

(شرح صحيح البخاري : 44/10)

حافظ ابن الجوزی(508-597ھ) لکھتے ہیں : أَمَّا تَخْصِيصُ الْفِتَنِ

بِالْمَشْرِقِ، فَلِأَنَّ الدَّجَّالَ يَخْرُجُ مِنْ تِلْكَ النَّاحِيَةِ، وَكَذٰلِكَ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ، وَأَمَّا ذِكْرُ قَرْنِ الشَّيْطَانِ، فَعَلٰى سَبِيلِ الْمَثَلِ، كَأَنَّ إِبْلِيسَ يَطْلُعُ رَأْسُهٗ بِالْفِتَنِ مِنْ تِلْكَ النَّوَاحِي .

''مشرق کے ساتھ فتنوں کو خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ دجال اور یاجوج ماجوج کا ظہور اسی سمت سے ہوگا۔رہی بات شیطان کے سینگ کی تو یہ بطور مثال ہے، گویا کہ شیطان فتنوں کی صورت میں اس سمت سے اپنا سر اٹھائے گا۔''

(کشف المشکل علی الصحیحین : 493/2)

شارحِ بخاری، علامہ کرمانی ''نجد''اور''غور'' کا معنیٰ واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ الطَّيِّبَةِ ـ صَلَّى اللّٰهُ عَلٰى سَاكِنِهَا ـ كَانَ نَجْدُهٗ بَادِيَةَ الْعِرَاقِ وَنَوَاحِيَهَا، وَهِيَ مَشْرِقُ أَهْلِهَا، وَلَعَلَّ الْمُرَادَ مِنَ الزَّلَازِلِ وَالِاضْطِرَابَاتِ الَّتِي بَيْنَ النَّاسِ مِنَ الْبَلَايَا، لِيُنَاسِبَ الْفِتَنَ مَعَ احْتِمَالِ إِرَادَةِ حَقِيقَتِهَا، قِيلَ : إِنَّ أَهْلَ الْمَشْرِقِ كَانُوا حِينَئِذٍ أَهْلَ الْكُفْرِ، فَأَخْبَرَ أَنَّ الْفِتْنَةَ تَكُونُ مِنْ نَّاحِيَتِهِمْ، كَمَا أَنَّ وَقْعَةَ الْجَمَلِ وَصِفِّينَ وَظُهُورَ الْخَوَارِجِ مِنْ أَهْلِ نَجْدٍ وَّالْعِرَاقِ وَمَا وَالَاهَا كَانَتْ مِنَ الْمَشْرِقِ، وَكَذٰلِكَ يَكُونُ خُرُوجُ الدَّجَّالِ وَيَأْجُوجَ وَمَأْجُوجَ مِنْهَا، وَقِيلَ : الْقَرْنُ فِي الْحَيَوَانِ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِيمَا لَا يُحْمَدُ مِنَ الْأُمُورِ .

''مدینہ طیبہ کے باسیوں کا نجد عراق اور اس کا نواحی علاقہ ہے۔یہی اہل مدینہ کے مشرق میں واقع ہے۔عراق میں زلزلوں اور فسادات سے مراد شاید وہ جنگیں ہیں جو لوگوں کے درمیان ہوئیں۔یہی بات فتنوں کے حسبِ حال ہے۔یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حقیقی زلزلے مراد ہوں۔ایک قول یہ ہے کہ اہل مشرق اس وقت کافر تھے۔نبی اکرم ﷺ نے بتا دیا کہ فتنے اسی طرف سے کھڑے ہوں گے۔پھر ایسا ہی ہوا کہ جنگ جمل اور صفین اور خوارج کے ظہور والے واقعات نجد وعراق اور اس کے

نواحی علاقے کے لوگوں کے سبب ہی پیش آئے۔ یہ تمام مشرقی علاقے ہیں۔اسی طرح دجال اور یاجوج وماجوج کا ظہور بھی اسی علاقے سے ہوگا۔اس حدیث میں مذکور سینگ کے بارے میں ایک قول یہ ہے کہ جانور کا سینگ بطور مثال قبیح امور کے لیے مستعمل ہے۔''

(شرح الكرماني للبخاري : 168/24)

شارح بخاری،علامہ عینی حنفی(762-859ھ)امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب بَابُ قَوْلِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «الْفِتْنَةُ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ» کے تحت لکھتے ہیں:

مُطَابَقَتُهُ لِلتَّرْجِمَةِ فِي قَوْلِهِ : «وَهُنَاكَ الزَّلَازِلُ وَالْفِتَنُ، وَبِهَا يَطْلُعُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ»، وَأَشَارَ بِقَوْلِهِ : «هُنَاكَ» نَجْدٌ، وَنَجْدٌ مِّنَ الْمَشْرِقِ، قَالَ الْخَطَّابِيُّ : نَجْدٌ مِّنْ جِهَةِ الْمَشْرِقِ، وَمَنْ كَانَ بِالْمَدِينَةِ كَانَ نَجْدُهُ بَادِيَةَ الْعِرَاقِ وَنَوَاحِيَهَا، وَهِيَ مَشْرِقُ أَهْلِ الْمَدِينَةِ، وَأَصْلُ النَّجْدِ مَا ارْتَفَعَ مِنَ الْأَرْضِ، وَهُوَ خِلَافُ الْغَوْرِ، فَإِنَّهُ مَا انْخَفَضَ مِنْهَا، وَتِهَامَةُ كُلُّهَا مِنَ الْغَوْرِ، وَمَكَّةُ مِنْ تِهَامَةِ الْيَمَنِ، وَالْفِتَنُ تَبْدُو مِنَ الْمَشْرِقِ، وَمَنْ نَّاحِيَتِهَا يَخْرُجُ يَأْجُوجُ وَمَأْجُوجُ وَالدَّجَّالُ، وَقَالَ كَعْبٌ : بِهَا الدَّاءُ الْعُضَّالُ، وَهُوَ الْهَلَاكُ فِي الدِّينِ، وَقَالَ الْمُهَلَّبُ : إِنَّمَا تَرَكَ الدُّعَاءَ لِأَهْلِ الْمَشْرِقِ، لِيَضْعُفُوا عَنِ الشَّرِّ الَّذِي هُوَ مَوْضُوعٌ فِي جِهَتِهِمْ لِاسْتِيلَاءِ الشَّيْطَانِ بِالْفِتَنِ .

''اس حدیث کی امام بخاری رحمہ اللہ کی تبویب سے مطابقت اس طرح ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہاں زلزلے اور فتنے ہوں گے اور وہیں سے شیطان کا سینگ طلوع ہو گا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں کہہ کر نجد کی طرف اشارہ فرمایااور نجد مشرق ہی میں واقع ہے۔فتنوں کا آغاز مشرق ہی سے ہوتا ہے۔اسی طرف سے یاجوج و ماجوج اور دجال کا ظہور ہوگا۔کعب کہتے ہیں: مشرق میں مہلک بیماری ہوگی اور وہ بیماری دین سے بیزاری ہے۔مہلب کہتے ہیں: نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مشرق کے لیے دُعا اس لیے نہیں کی کہ وہ اس شر سے باز آ

جائیں جو شیطان کے فتنوں کی صورت میں ان کی سمت میں موجود ہے۔''

(عمدة القاري في شرح صحيح البخاري : 200/24)

نیز لکھتے ہیں: وَإِنَّمَا أَشَارَ إِلَى الْمَشْرِقِ لِأَنَّ أَهْلَهٗ يَوْمَئِذٍ كَانُوا أَهْلَ كُفْرٍ، فَأَخْبَرَ أَنَّ الْفِتْنَةَ تَكُونُ مِنْ تِلْكَ النَّاحِيَةِ، وَكَذٰلِكَ كَانَتْ، وَهِيَ وَقْعَةُ الْجَمَلِ وَوَقْعَةُ صِفِّينَ، ثُمَّ ظُهُورُ الْخَوَارِجِ فِي أَرْضِ نَجْدٍ وَّالْعِرَاقِ وَمَا وَرَائَهَا مِنَ الْمَشْرِقِ، وَكَانَتِ الْفِتْنَةُ الْكُبْرَى الَّتِي كَانَتْ مِفْتَاحَ فَسَادِ ذَاتِ الْبَيْنِ قَتْلَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ تَعَالٰى عَنْهُ، وَكَانَ يُحَذِّرُ مِنْ ذٰلِكَ وَيُعْلِمُ بِهٖ قَبْلَ وُقُوعِهٖ، وَذٰلِكَ مِنْ دَلَالَاتِ نُبُوَّتِهٖ.

''آپ ﷺ نے مشرق کی طرف اشارہ اس لیے فرمایا کہ اہل مشرق اس دور میں کافر تھے۔آپ ﷺ نے بتا دیا کہ فتنے اس طرف سے سر اٹھائیں گے۔بالکل ایسے ہی ہوا۔ جنگ جمل وصفین اور خوارج کا ظہور نجد وعراق اور اس کے نواحی علاقوں ہی میں ہوا تھا۔سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کی صورت میں سب سے بڑا فتنہ جو دائمی فساد کا سبب بنا،وہ بھی اسی سمت سے آیا تھا۔نبی کریم ﷺ ان فتنوں کے واقع ہونے سے قبل ہی اس سمت سے خبردار اور متنبہ فرماتے تھے۔یہ آپ ﷺ کی نبوت کی ایک بہت بڑی نشانی تھی۔''

(عمدة القاري في شرح صحيح البخاري : 199/24)

شارح بخاری،حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

وَقَالَ غَيْرُهٗ : كَانَ أَهْلُ الْمَشْرِقِ يَوْمَئِذٍ أَهْلَ كُفْرٍ، فَأَخْبَرَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّ الْفِتْنَةَ تَكُونُ مِنْ تِلْكَ النَّاحِيَةِ، فَكَانَ كَمَا أَخْبَرَ، وَأَوَّلُ الْفِتَنِ كَانَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ، فَكَانَ ذٰلِكَ سَبَبًا لِّلْفُرْقَةِ بَيْنَ الْمُسْلِمِينَ، وَذٰلِكَ مِمَّا يُحِبُّهُ الشَّيْطَانُ وَيَفْرَحُ بِهٖ، وَكَذٰلِكَ الْبِدَعُ نَشَأَتْ مِنْ تِلْكَ الْجِهَةِ.

''علامہ خطابی کے علاوہ دوسرے اہل علم کہتے ہیں کہ اہل مشرق اس دور میں کافر تھے۔

نبی اکرم ﷺ نے خبر دے دی کہ فتنے اسی سمت سے پیدا ہوں گے۔آپ ﷺ کی خبر کے عین مطابق سب سے پہلا فتنہ جو مسلمانوں میں دائمی اختلاف و افتراق کا باعث بنا، وہ مشرق ہی سے نمودار ہوا۔اختلاف کو شیطان پسند کرتا ہے اور اس پر بہت خوش ہوتا ہے۔اسی طرح بدعات نے بھی اسی علاقے میں پرورش پائی۔''(فتح الباري : 47/13)

تمام گمراہ اور ظالم فرقے،مثلاً رافضی،جہمی،قدریہ،وغیرہ مشرق کی پیداوار ہیں۔تاحال یہ سلسلہ جاری ہے۔فتنہ دجال بھی یہیں سے ظاہر ہوگا۔

شارحِ ترمذی،علامہ محمد عبد الرحمٰن مبارکپوری رحمہ اللہ (م : 1353ھ)اس حدیث کے الفاظ «يَخْرُجُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ»کی شرح میں فرماتے ہیں:

«يَخْرُجُ قَرْنُ الشَّيْطَانِ»، أَي حِزْبُهُ وَأَهْلُ وَقْتِهِ وَزَمَانِهِ وَأَعْوَانُهُ، ذَكَرَهُ السُّيُوطِيُّ، وَقِيلَ : يَحْتَمِلُ أَنْ يُّرِيدَ بِالْقَرْنِ قُوَّةَ الشَّيْطَانِ، وَمَا يَسْتَعِينُ بِهٖ عَلَى الْإِضْلَالِ.

''علامہ سیوطی کے بقول شیطان کے سینگ سے مراد اس کا گروہ،اس کا دور اور اس کے معاونین ہیں۔ایک قول یہ ہے کہ سینگ سے مراد شیطان کی قوت اور اس کے گمراہ کن حربے ہیں۔''(تحفة الأحوذي : 381/4)

«رَأْسُ الْكُفْرِ نَحْوَ الْمَشْرِقِ» کا معنیٰ بیان کرتے ہوئے ملا علی قاری حنفی ماتریدی (م : 1014ھ) لکھتے ہیں: رَأْسُ الْكُفْرِ، أَي مُعْظَمُهُ، ذَكَرَهُ السُّيُوطِيُّ، وَالْأَظْهَرُ أَنْ يُّقَالَ : مَنْشَأُهُ نَحْوَ الْمَشْرِقِ . ''سیوطی نے ذکر کیا ہے کہ کفر کے سر سے مراد کفر کا بڑا حصہ ہے۔زیادہ بہتر یہ معنیٰ ہے کہ کفر کا سرچشمہ مشرق کی سمت ہے۔''

(مرقاة المفاتيح في شرح مشكاة المصابيح : 4039/9، ح : 6268)

نیز لکھتے ہیں: وَقَالَ النَّوَوِيُّ : الْمُرَادُ بِاخْتِصَاصِ الْمَشْرِقِ بِهٖ مَزِيدُ تَسَلُّطِ الشَّيْطَانِ عَلٰى أَهْلِ الْمَشْرِقِ، وَكَانَ ذٰلِكَ فِي عَهْدِهٖ ـ صَلَّى اللّٰهُ

عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ وَيَكُونُ حِينَ يَخْرُجُ الدَّجَّالُ مِنَ الْمَشْرِقِ، فَإِنَّهُ مَنْشَأُ الْفِتَنِ الْعَظِيمَةِ وَمَثَارُ الْكُفْرِ . ''علامہ نووی فرماتے ہیں کہ فتنوں کو مشرق کے ساتھ خاص کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اہل مشرق پر شیطان کا غلبہ زیادہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کے دور میں بھی ایسا تھا اور دجال بھی مشرق ہی سے نمودار ہوگا۔ یوں مشرق بڑے بڑے فتنوں کا منبع اور کفر کا سرچشمہ ہے۔''(مرقاة المفاتيح في شرح مشكاة المصابيح : 4037/9، ح : 6268)

فائدہ : نبی اکرم ﷺ نے مدینہ منورہ کے ایک ٹیلے پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا:

«هَلْ تَرَوْنَ مَا أَرٰى ؟ قَالُوا : لَا، قَالَ : فَإِنِي لَأَرَى الْفِتَنَ تَقَعُ خِلَالَ بُيُوتِكُمْ كَوَقْعِ الْقَطْرِ» .

''جو میں دیکھ رہا ہوں، کیا تمہیں نظر آ رہا ہے؟ صحابہ کرام نے عرض کیا: نہیں اللہ کے رسول! فرمایا: بلاشبہ میں فتنوں کو تمہارے گھروں میں بارش کی طرح داخل ہوتے دیکھ رہا ہوں۔''

(صحيح البخاري : 1046/2، ح : 7060، صحيح مسلم :389/1، ح : 2885)

اس حدیثِ نبوی اور مذکورہ بالا احادیث کے درمیان جمع و تطبیق کرتے ہوئے شارحِ بخاری، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں :

وَإِنَّمَا اخْتُصَّتِ الْمَدِينَةُ بِذٰلِكَ، لِأَنَّ قَتْلَ عُثْمَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ كَانَ بِهَا، ثُمَّ انْتَشَرَتِ الْفِتَنُ فِي الْبِلَادِ بَعْدَ ذٰلِكَ، فَالْقِتَالُ بِالْجَمَلِ وَبِصِفِّينَ كَانَ بِسَبَبِ قَتْلِ عُثْمَانَ، وَالْقِتَالُ بِالنَّهْرَوَانِ كَانَ بِسَبَبِ التَّحْكِيمِ بِصِفِّينَ، وَكُلُّ قِتَالٍ وَّقَعَ فِي ذٰلِكَ الْعَصْرِ إِنَّمَا تَوَلَّدَ عَنْ شَيْءٍ مِّنْ ذٰلِكَ، أَوْ عَنْ شَيْءٍ تَوَلَّدَ عَنْهُ، ثُمَّ إِنَّ قَتْلَ عُثْمَانَ كَانَ أَشَدَّ أَسْبَابِهِ الطَّعْنُ عَلٰى أُمَرَائِهٖ، ثُمَّ عَلَيْهِ بِتَوَلِّيَتِهٖ لَهُمْ، وَأَوَّلُ مَا نَشَأَ ذٰلِكَ مِنَ الْعِرَاقِ، وَهِيَ مِنْ جِهَةِ الْمَشْرِقِ، فَلَا مُنَافَاةَ بَيْنَ حَدِيثِ الْبَابِ وَبَيْنَ الْحَدِيثِ الْآتِي أَنَّ الْفِتْنَةَ مِنْ قِبَلِ الْمَشْرِقِ .

''اس بارے میں مدینہ منورہ کا خاص ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی

شہادت یہیں ہوئی تھی۔اس کے بعد تمام علاقوں میں فتنے پھیل گئے۔ جنگ جمل اور صفین سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت ہی کا نتیجہ تھی،جبکہ (خوارج کے خلاف)جنگ نہروان کا سبب جنگِ صفین میں تحکیم والا معاملہ بنا۔اس دور میں جو بھی لڑائی ہوئی بلاواسطہ یا بالواسطہ اس کا تعلق شہادتِ عثمان سے تھا۔پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کا سب سے بڑا سبب آپ رضی اللہ عنہ کے گورنروں پر طعن اور خود آپ رضی اللہ عنہ پر ان گورنروں کی تقرری کے حوالے سے کی جانے والی تشنیع تھی۔اس معاملے کا آغاز عراق ہی سے ہوا تھا۔عراق (مدینہ منورہ کے)مشرق کی سمت میں واقع ہے۔یوں اس حدیث اور آنے والی حدیث میں کوئی تعارض نہیں کہ فتنے کی سرزمین مشرق (عراق)ہی ہے۔''(فتح الباري : 13/13)

الحاصل : احادیثِ نبویہ میں مذکور فتنوں کی آماجگاہ نجد سے مراد عراق ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح احادیث میں واضح طور پر عراق کا نام موجود ہے۔علمائے کرام اور فقہائے عظام کی تصریحات بھی یہی ہیں۔حق وہی ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہو جائے۔اس کے باوجود بعض لوگ ان صحیح احادیث کو چھپاتے ہوئے اہل حق پر کیچڑ اچھالتے ہیں۔دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اسے قبول کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

❁❁❁❁❁❁❁

توجہ فرمائیں

ماہنامہ **السنة** کی علمی مجلس کی نجی مصروفیات کی بنا پر اور کچھ تکنیکی مسائل کی وجہ سے چند شمارے تاخیر کا شکار ہوئے ہیں۔وسیلہ نمبر کی اشاعت کے بعد موجودہ شمارہ پھر تین ماہ کا شائع کیا جا رہا ہے۔آئندہ نومبر اور دسمبر دو ماہ کا شمارہ اکٹھا شائع ہو گا۔اس کے بعد بتوفیق اللہ تعالیٰ جنوری 2013ء سے رسالہ ہر ماہ شائع ہوا کرے گا۔

قارئین کرام نوٹ فرما لیں۔

❁❁❁❁❁❁❁

مُردے سنتے ہیں،لیکن!

حافظ ابو یحییٰ نور پوری

مُردے سنتے ہیں یا نہیں،اس بارے میں مسلمانوں کے ہاں متضاد آراء پائی جاتی ہیں۔یہی اختلاف عقیدے کے لحاظ سے مسلمانوں کی تقسیم کا ایک بڑا سبب بھی ہے۔یہ مسئلہ ''سماعِ موتیٰ'' کے نام سے معروف ہے۔ہم فہم سلف کی روشنی میں قرآن و سنت سے اس مسئلے کا حل پیش کریں گے۔قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ غیر جانبدار رہتے ہوئے تلاشِ حق کی غرض سے ہماری ان معروضات کو ملاحظہ فرمائیں اور کوئی بھی فیصلہ کرتے وقت تعصب کو آڑے نہ آنے دیں۔ہمیں امیدِ واثق، بلکہ یقین ہے کہ وہ ضرور حق کی منزل کو پا لیں گے، کیونکہ قرآن و سنت کو اگر صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے طریقے اور منہج کے مطابق سمجھا جائے تو حق تک پہنچنا سو فی صد یقینی ہو جاتا ہے۔

بطورِ تمہید یہ بات ذہن نشین رکھیں کہ شریعتِ اسلامیہ کے کچھ کُلّی قواعد و قوانین میں چند ایک استثناءات رکھ دی گئی ہیں۔ان استثناءات کی وجہ سے ان کُلّی قوانین کی حیثیت پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔نصوصِ شرعیہ سے ثابت شدہ استثناءات کو خارج کرنے کے بعد باقی قاعدہ پھر کُلّی ہی رہتا ہے،مثلاً :

① تمام انسانوں کا ایک ماں اور ایک باپ سے پیدا ہونا ایک کُلّی قاعدہ ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے :

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى﴾ (الحجرات 49 : 13)

''اے لوگو! بلاشبہ ہم نے تمہیں ایک مرد اور ایک عورت سے پیدا کیا ہے۔''

جبکہ آدم علیہ السلام ماں اور باپ دونوں کے بغیر اور عیسیٰ علیہ السلام بن باپ کے پیدا ہوئے۔

اب کوئی ان دو خاص واقعات کی بنا پر مطلق طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ انسان ماں اور باپ دونوں یا کسی ایک کے بغیر پیدا ہو جاتا ہے،البتہ یہ کہہ سکتا ہے کہ خاص دو انسان دنیا میں ایسے ہوئے ہیں جن میں سے ایک ماں اور باپ دونوں کے بغیر اور دوسرا باپ کے بغیر پیدا ہوا۔

① مُردار کا حرام ہونا ایک قاعدۂ کلیہ ہے۔فرمانِ الٰہی ہے:

﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ (المائدة 5: 3)

جبکہ اس سے ''جراد''(ٹڈی نام کا ایک پرندہ) اور ''حوت''(مچھلی) کا گوشت مستثنیٰ ہے۔
(السنن الکبرٰی للبیهقي :1/384، وسندہٗ صحیحٌ)

ان دو قسم کے مُرداروں کے حلال ہونے سے ہر مُردار کے حلال ہونے کا استدلال جائز نہیں۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''مُردار حلال ہے ،لیکن صرف مچھلی اور ٹڈی کا۔'' مرُدار کے حرام ہونے والا قانون اپنی جگہ مستقل اور کُلّی ہی ہے۔

③ امتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے مَردوں پر ریشم پہننا حرام کر دیا گیا ہے۔فرمانِ نبوی ہے:

«اَلْحَرِيرُ وَالذَّهَبُ حَرَامٌ عَلٰى ذُكُورِ أُمَّتِي، حِلٌّ لِّإِنَاثِهِمْ»

''ریشم اور سونا میری امت کے مردوں پر حرام ہیں،جبکہ عورتوں کے لیے حلال ہیں۔''
(شرح مشکل الآثار للطحاوي: 12/308، ح :4821، وسندہٗ حسنٌ)

جبکہ تین، چار انگلیوں کے برابر استعمال کر لینا جائز ہے۔(صحیح مسلم: 2069)

شریعت کا قاعدہ کلیہ یہی ہے کہ مَردوں کے لیے ریشم پہننا حرام ہے،لیکن ایک خاص مقدار جائز کر دی گئی ہے۔کوئی اس رخصت کی بنا پر مطلق طور پر یہ نہیں کہہ سکتا کہ مَردوں کے لیے ریشم پہننا جائز ہے۔زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتا ہے کہ ''مردوں کے لیے ریشم پہننا جائز ہے،لیکن ایک خاص مقدار میں۔''

یہ سب مثالیں پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ کلّی قاعدے میں بسا اوقات شریعت کچھ استثناءات رکھ دیتی ہے،لیکن اس سے قانونِ شریعت کی کلّی حیثیت متاثر نہیں ہوتی۔ بالکل یہی حال مسئلہ سماعِ موتیٰ کا ہے۔مُردے نہیں سنتے،البتہ قرآن وسنت کے بیان کردہ خاص اوقات و حالات میں ان کا کوئی خاص بات سن لینا ثابت ہے۔یہ کہنا جائز نہیں کہ مُردے سنتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ''مُردے سنتے ہیں،لیکن ان حالات و واقعات میں جن کی صراحت نصوصِ شرعیہ نے کر دی ہے۔''

لہٰذا مطلق طور پر مُردوں کے سننے کا عقیدہ رکھنا قرآن وسنت سے متصادم ہے۔قرآن و سنت نے مُردوں کے سننے کی مطلق نفی کی ہے۔یہی کُلّی قانون ہے۔دلائل ملاحظہ فرمائیں:

عدمِ سماعِ موتیٰ کے دلائل

دلیل نمبر ① : اللہ تعالیٰ کا فرمانِ گرامی ہے:

﴿اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِينَ يَسْمَعُوْنَ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ﴾ (الأنعام 6: 36)

''جواب تو وہی دیتے ہیں جو سنتے ہیں اور مردوں کو تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) زندہ کرے گا، پھر وہ اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے''

سنی مفسر ابوجعفر، ابن جریر طبری رحمہ اللہ (224-310ھ) فرماتے ہیں:

﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾، يَقُولُ : الْكُفَارُ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ مَعَ الْمَوْتٰى، فَجَعَلَهُمْ تَعَالٰى ذِكْرُهُ فِي عِدَادِ الْمَوْتَى الَّذِينَ لَا يَسْمَعُونَ صَوْتًا، وَّلَا يَعْقِلُونَ دُعَاءً، وَّلَا يَفْقَهُونَ قَوْلًا .

''﴿وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ﴾ (اور مُردوں کو تو اللہ تعالیٰ [روزِ قیامت] زندہ کرے گا)۔اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کفار کو اللہ تعالیٰ مُردوں کے ساتھ ہی زندہ کرے گا، یوں اللہ تعالیٰ نے انہیں (زندہ ہوتے ہوئے بھی) ان مُردوں میں شامل کر دیا جو نہ کسی آواز کو سن سکتے ہیں، نہ کسی پکار کو سمجھ پاتے ہیں اور نہ کسی بات کا انہیں شعور ہوتا ہے۔''

(جامع البيان عن تأويل آي القرآن المعروف بتفسير الطبري : 855/4)

دلیل نمبر ② : ﴿اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِيْنَ﴾ (النمل 27: 80)

’’(اے نبی!)یقیناً آپ نہ کسی مُردے کو سنا سکتے ہیں،نہ بہروں کو اپنی پکار سنا سکتے ہیں،جب وہ اعراض کرتے ہوئے چلے جاتے ہیں۔‘‘

جناب رشید احمد گنگوہی دیوبندی صاحب(1244-1323ھ) لکھتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ الْمُنْكِرُونَ (لِسَمَاعِ الْمَوْتٰى)، وَمِنْهُمْ عَائِشَةُ وَابْنُ عَبَّاسٍ، وَمِنْهُمُ الْإِمَامُ (أَبُو حَنِيفَةَ)، بِقَوْلِهٖ تَعَالٰى : ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾، فَإِنَّهٗ لَمَّا شَبَّهَ الْكُفَّارَ بِالْأَمْوَاتِ فِي عَدَمِ سَمَاعٍ، عُلِمَ أَنَّ الْأَمْوَاتَ لَا يَسْمَعُونَ وَإِلَّا لَمْ يَصِحَّ التَّشْبِيهُ ....

’’جولوگ مُردوں کے سننے کے انکاری ہیں،ان میں سیدہ عائشہ،سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہم اور امام ابوحنیفہ شامل ہیں۔ان کا استدلال اس فرمانِ باری تعالیٰ سے ہے : ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾([اے نبی!] یقیناً آپ مُردوں کونہیں سنا سکتے)۔وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کو نہ سن سکنے میں مُردوں سے تشبیہ دی ہے۔اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ مُردے نہیں سنتے،ورنہ تشبیہ ہی درست نہیں رہتی۔۔۔‘‘

(الكوكب الدرّيّ، ص : 319، ط الحجريّة، 2/197، ط الجديدة)

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے کفار کومردوں سے تشبیہ دی گویا یہ کفار مردے ہیں کہ جس طرح مردے نہیں سنتے اس طرح یہ بھی حق بات نہیں سنتے۔

دلیل نمبر ③ : اللہ تعالی کا فرمان ہے:

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَحْيَآءُ وَلَا الْاَمْوَاتُ اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (فاطر 35:22)

مسعود بن عمر تفتازانی ماتریدی(م:792ھ) لکھتے ہیں:

وَأَمَّا قَوْلُهٗ تَعَالٰى : ﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾، فَتَمَثَّلَ

بِحَالِ الْكَفَرَةِ بِحَالِ الْمَوْتٰى ، وَلَا نِزَاعَ فِي أَنَّ الْمَيِّتَ لَا يَسْمَعُ .

''اپنے اس فرمانِ گرامی:﴿وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (آپ قبروں والوں کو سنا نہیں سکتے) میں اللہ تعالیٰ نے کافروں کی حالت کو مُردوں کی حالت سے تشبیہ دی ہے اور اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ مُردے سن نہیں سکتے۔''

(شرح المقاصد في علم الكلام : 116/5)

شارحِ ہدایہ، علامہ ابن ہمام حنفی (م :861ھ) ان دونوں آیات کو ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں : فَإِنَّهُمَا يُفِيدَانِ تَحْقِيقَ عَدَمِ سَمَاعِهِمْ، فَإِنَّهُ تَعَالٰى شَبَّهَ الْكُفَّارَ بِالْمَوْتٰى لِإِفَادَةِ تَعَذُّرِ سَمَاعِهِمْ، وَهُوَ فَرْعُ عَدَمِ سَمَاعِ الْمَوْتٰى .

''ان دونوں آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ مردے قطعاً نہیں سن سکتے۔ اللہ تعالیٰ نے کفار کو مردوں سے تشبیہ دی ہے تاکہ یہ بتایا جا سکے کہ وہ سُن نہیں سکتے۔ کفار کا حق کو نہ سن سکنا، عدمِ سماعِ موتیٰ کی فرع ہے۔'' (فتح القدير : 104/2)

فائدہ : بعض لوگ فوت شدگان کو فریاد رسی کے لیے پکارتے ہیں اور غیب سے انکے نام کی دہائی دیتے ہیں۔ یہ باطل عقیدہ ہے۔ مردے تو قریب سے بھی سُن نہیں سکتے، ہزاروں میل دُور سے کیسے سُنیں گے؟ قرآن مجید اس کا رد یوں فرماتا ہے :

﴿وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِنْ دُونِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۞ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآئَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۞﴾ (فاطر 35: 13، 14)

''اللہ کے سوا جن لوگوں کو تم پکارتے ہو، وہ کھجور کی گٹھلی کے پردے کے برابر بھی کسی چیز کے مالک نہیں۔ اگر تم انہیں پکارو تو وہ تمہاری پکار سُن نہیں سکتے اور اگر وہ سُن بھی لیں تو تمہاری مُراد پوری نہیں کر سکتے۔ قیامت کے روز یہ لوگ تمہارے شرک سے براءت کا اعلان کر دیں گے۔ تمہیں (اللہ) خبیر کی طرح کوئی خبر نہیں دے سکتا۔''

نیز فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗٓ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ﴾(الأحقاف 46:5)

''اس شخص سے بڑا گمراہ کون ہوسکتا ہے جو اللہ کے سِوا ان لوگوں کو پکارتا ہے جو قیامت تک اس کی دادرسی نہیں کر سکتے۔وہ تو ان کی پکار ہی سے غافل ہیں۔''

معلوم ہوا کہ مُردے سُن نہیں سکتے۔یہ ایک کُلّی قاعدہ ہے۔اس کُلّی قاعدے کا انکاری اہل حق نہیں، بلکہ گمراہ شخص ہے۔

استثناءات جو شرعی نصوص سے ثابت ہیں

اس کُلّی قاعدے سے شریعت نے خود ہی چند استثناءات رکھ دی ہیں۔ان میں کچھ استثناءات یہ ہیں:

استثناء نمبر ① : مُردے کا جوتوں کی آواز سننا:

(ا) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«اَلْعَبْدُ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهٖ، وَتُوُلِّيَ، وَذَهَبَ أَصْحَابُهٗ، حَتّٰى إِنَّهٗ لَيَسْمَعُ قَرْعَ نِعَالِهِمْ ، أَتَاهُ مَلَكَانِ، فَأَقْعَدَاهُ، فَيَقُولَانِ لَهٗ ....»

''میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے اور اس کے اقربا اسے چھوڑ کر واپس چلے جاتے ہیں،حتی کہ وہ ان کے جوتوں کی آواز سنتی ہے،تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھا کر کہتے ہیں۔۔۔''

(صحيح البخاري :1/78، ح : 1378، صحيح مسلم : 2/379، ح : 782)

صحیح مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

«إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهٖ، إِنَّهٗ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ إِذَا انْصَرَفُوا.....»

''میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو وہ لوگوں کی واپسی کے وقت ان کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔۔۔''

(ب) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«إِنَّ الْمَيِّتَ إِذَا وُضِعَ فِي قَبْرِهِ إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ». ''میت کو جب قبر میں رکھ دیا جاتا ہے تو لوگوں کے واپسی کے وقت وہ ان کے جوتوں کی چاپ سن رہی ہوتی ہے۔''

(مسند الإمام أحمد : 348/2، شرح معاني الآثار للطحاوي : 510/1، المعجم الأوسط للطبراني :2651، المستدرك على الصحيحين للحاكم :380/1-381، وسندهٗ حسنٌ)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (3113) نے اس حدیث کو ''صحیح'' کہا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ نے صحیح مسلم کی شرط پر ''صحیح'' کہا ہے۔

علامہ ہیثمی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔(مجمع الزوائد : 51/3-52)

یہ ایک استثناء ہے ۔ان احادیث سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ مردے سن نہیں سکتے۔ مُردوں کے نہ سننے کا قانون اپنی جگہ مستقل ہے۔اگر وہ ہر وقت سن سکتے ہوتے تو«حِينَ يُوَلُّونَ عَنْهُ»(جب لوگ میت کو دفنا کر واپس ہو رہے ہوتے ہیں)اور«إِذَا انْصَرَفُوا» (جب لوگ لوٹتے ہیں) کی قید لگا کر مخصوص وقت بیان کرنے کا کیا فائدہ تھا؟ مطلب یہ کہ قانون اور اصول تو یہی ہے کہ مردہ نہیں سنتا، تاہم اس حدیث نے ایک موقع خاص کر دیا کہ دفن کے وقت جو لوگ موجود ہوتے ہیں، ان کی واپسی کے وقت میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سنتی ہے۔

علامہ عینی حنفی (م:855ھ) لکھتے ہیں:

وَفِيهِ دَلِيلٌ عَلٰى أَنَّ الْمَيِّتَ تَعُودُ إِلَيْهِ رُوحُهٗ لِأَجْلِ السُّؤَالِ، وَإِنَّهٗ لَيَسْمَعُ صَوْتَ نِعَالِ الْأَحْيَاءِ، وَهُوَ فِي السُّؤَالِ.

''اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ میت کی روح اس سے (منکر ونکیر کے) سوال کے

لیے لوٹائی جاتی ہے اور میت سوال کے وقت زندہ لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتی ہے۔''

(شرح أبي داؤد :6/188)

پھر عربی گرائمر کا اصول ہے کہ جب فعل مضارع پر لام داخل ہو تو معنیٰ حال کے ساتھ خاص ہو جاتا ہے، یعنی «لَيَسْمَعُ» وہ خاص اس حال میں سنتے ہیں۔

اِس تحقیق کی تائید، اُس فرمانِ نبوی سے بھی ہوتی ہے جو امام طحاوی حنفی نے نقل کیا ہے:

«وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ ! إِنَّهُ لَيَسْمَعُ خَفْقَ نِعَالِهِمْ، حِينَ تُوَلُّونَ عَنْهُ مُدْبِرِينَ» . ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے! یقیناً جب لوگ میت کو دفن کر کے واپس جا رہے ہوتے ہو تو وہ ان جوتوں کی آواز سنتی ہے۔''

(شرح معاني الآثار للطحاوي :1/510، وسندهٗ حسنٌ)

عالَمِ عرب کے مشہور اہل حدیث عالِمِ دین، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

فَلَيْسَ فِيهِ إِلَّا السَّمَاعُ فِي حَالَةِ إِعَادَةِ الرُّوحِ إِلَيْهِ لِيُجِيبَ عَلٰى سُؤَالِ الْمَلَكَيْنِ، كَمَا هُوَ وَاضِحٌ مِّنْ سِيَاقِ الْحَدِيثِ .

''اس حدیث میں صرف یہ مذکور ہے کہ جب فرشتوں کے سوالات کے جواب کے لیے میت میں رُوح لوٹائی جاتی ہے تو اس حالت میں وہ (جوتوں کی) آواز سُنتی ہے۔ حدیث کے سیاق سے یہ بات واضح ہو رہی ہے۔''

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيّء في الأمّة : 1147)

مشہور عَرب، اہل حدیث عالم، محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ (م:1421ھ) فرماتے ہیں:

فَهُوَ وَارِدٌ فِي وَقْتٍ خَاصٍّ، وَهُوَ انْصِرَافُ الْمُشَيِّعِينَ بَعْدَ الدَّفْنِ .

''مُردوں کا یہ سننا ایک خاص وقت میں ہوتا ہے اور وہ دفن کرنے والوں کا تدفین کے بعد واپس لوٹنے کا وقت ہے۔'' (القول المفيد على كتاب التوحيد :1/289)

استثناء نمبر ۲ :

جنگ بدر میں جہنم واصل ہونے والے کفار کا نبی اکرم ﷺ کا خطبہ سننا:

(ا) بدر میں قتل ہونے والے چوبیس مشرکوں کو ایک کنویں میں ڈال دیا گیا۔ تین دن کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان کے نام پکار پکار کر فرمایا:

«يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ ! وَيَا فُلَانُ بْنَ فُلَانٍ ! أَيَسُرُّكُمْ أَنَّكُمْ أَطَعْتُمُ اللّٰهَ وَرَسُولَهُ؟ فَإِنَّا قَدْ وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا، فَهَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟» ''اے فلاں کے بیٹے فلاں اور اے فلاں کے بیٹے فلاں! کیا تمہیں اب اچھا لگتا ہے کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کر لیتے؟ ہم نے اپنے ساتھ کیے گئے اپنے رب کے وعدے کو سچا دیکھ لیا ہے۔کیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدے کو سچ ہوتا دیکھ لیا؟''

یہ سُن کر سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! مَا تُكَلِّمُ مِنْ أَجْسَادٍ، لَا أَرْوَاحَ لَهَا؟ ''اللہ کے رسول! آپ ان جسموں سے کیا باتیں کر رہے ہیں جن میں کوئی روح ہی نہیں؟''

اس پر آپ ﷺ نے فرمایا:

«وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهِ ! مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ، مِنْهُمْ» .

''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد (ﷺ) کی جان ہے! میں جو کہہ رہا ہوں، اس کو تم ان کفار سے زیادہ نہیں سُن رہے۔''

(صحيح البخاري : 566/2، ح : 3976، صحيح مسلم : 387/2، ح : 2874)

(ب) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما یہی واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

اِطَّلَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَهْلِ الْقَلِيْبِ، فَقَالَ : «وَجَدْتُّم

مَّاوَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟»، فَقِيلَ لَهُ : أَتَدْعُو أَمْوَاتًا؟ فَقَالَ : «مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهُمْ، وَلٰكِنْ لَّا يُجِيبُونَ» .

''نبی اکرم ﷺ نے کنویں والے کفار کو جھانک کر دیکھا اور فرمایا: کیا تم نے اپنے رب کے وعدے کو سچا پایا؟ آپ سے عرض کی گئی: کیا آپ مُردوں کو پکار رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: وہ تمہاری طرح سن رہے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔''

(صحيح البخاري: 183/1، ح: 1370)

اس حدیث میں بھی کفار مکہ کے ایک خاص آواز سننے کا ذکر ہے، جیسا کہ صحیح بخاری (567/2، ح:3980-3981) میں ہے: «إِنَّهُمُ الْآنَ يَسْمَعُونَ مَا أَقُولُ» .

''وہ اس وقت میری بات کو سن رہے ہیں۔''

اس سے معلوم ہوا کے مردے نہیں سنتے۔صحابہ کرام کا یہی عقیدہ تھا۔اسی لیے تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا تھا کہ آپ مُردوں سے کیوں باتیں کر رہے ہیں، یہ تو سنتے نہیں؟ رسول اللہ ﷺ نے انہیں بتایا کہ بدر کے کنویں میں پڑے کفار کے سننے کا واقعہ عدمِ سماعِ موتیٰ کے اس قانونِ شریعت سے خاص کر دیا گیا ہے۔آپ ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ مرنے کے بعد مردے سنتے ہیں، بلکہ فرمایا: «اَلْآنَ»، یعنی اس وقت وہ میری بات سن رہے ہیں۔اس میں استمرار کے ساتھ سننے کا کوئی ذکر نہیں، بلکہ استمرار کی نفی ہو گئی ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) علامہ مازری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

قَالَ (أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدُ بْنُ عَلِيٍّ ـ 453-536هـ ـ) الْمَازِرِيُّ : قَالَ بَعْضُ النَّاسِ : الْمَيِّتُ يَسْمَعُ عَمَلًا بِظَاهِرِ هٰذَا الْحَدِيثِ، ثُمَّ أَنْكَرَهُ الْمَازِرِيُّ ، وَادَّعٰى أَنَّ هٰذَا خَاصٌّ فِي هٰؤُلَاءِ .

''علامہ (ابوعبد اللہ محمد بن علی) مازری (453-536ھ) فرماتے ہیں کہ بعض لوگوں نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ کو دیکھ کر کہا ہے کہ مُردے سنتے ہیں۔اس کے بعد علامہ

مازری نے اس کا ردّ کرتے ہوئے دعویٰ کیا ہے کہ یہ سننا ان کفار کے ساتھ خاص تھا۔''

(شرح صحیح مسلم : 387/2)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) اس حدیث کے متعلق فرماتے ہیں :

وَنَحْوُهٗ قَوْلُهٗ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعُمَرَ ــ حِينَمَا سَأَلَهٗ عَنْ مُّنَادَاتِهٖ لِأَهْلِ قَلِيبِ بَدْرٍ ــ : «مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ مِنْهُمْ»، هُوَ خَاصٌّ أَيْضًا بِأَهْلِ الْقَلِيبِ .... ''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب بدر کے کنویں میں پڑے مقتولین کو پکارا تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : تم میری بات کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ اِسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانِ گرامی بھی اہل بدر کے ساتھ خاص ہے۔''(سلسلة الأحاديث الضعيفة : 286/3، ح : 1148)

فائدہ : مشہور تابعی، امام قتادہ بن دعامہ رحمہ اللہ (61-118ھ) فرماتے ہیں :

أَحْيَاهُمُ اللّٰهُ حَتّٰی أَسْمَعَهُمْ قَوْلَهٗ، تَوْبِيخًا وَّتَصْغِيرًا وَّ نِقْمَةً وَّحَسْرَةً وَّنَدَمًا . ''اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو زندہ کر کے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان انہیں سنا دیا تاکہ ان کی تحقیر و تذلیل ہو اور وہ حسرت وندامت میں ڈوب جائیں۔''

(مسند الإمام أحمد : 459/19، ح : 12417، صحيح البخاري : 3976)

علامہ ابوالحسن علی بن خلف بن عبداللہ، ابن بطال (م :449ھ) فرماتے ہیں :

وَعَلٰی تَأْوِيلِ قَتَادَةَ فُقَهَاءُ الْأَئِمَّةِ وَجَمَاعَةُ أَهْلِ السُّنَّةِ .

''امام قتادہ کے بیان کردہ مفہوم پر ہی فقہاء ائمہ اور جماعتِ اہل سنت قائم ہیں۔''

(شرح صحيح البخاري : 358/3)

معلوم ہوا کہ صحابہ کرام اور سلف صالحین میں سے کوئی بھی مُردوں کے سننے کا قائل نہیں۔ اگر قرآن و حدیث میں سماعِ موتی کی کوئی دلیل ہوتی تو اسلافِ امت ضرور اس کے قائل ہوتے۔ اس لیے تو ہم اصل ضابطہ عدمِ سماع قرار دیتے ہیں اور جن جگہوں میں صحیح دلیل کے ساتھ سننا ثابت ہے، ان کو مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔

عقائد و اعمال میں استثناء کا باب کھلا ہے۔ یہ کہنا کہ ''نفیِ سماع، پھر استثناء، کیا فرق نکلے گا، نتیجہ تو بہر کیف سماعِ موتی ہی نکلتا ہے۔۔۔'' نِری جہالت اور بے وقوفی ہے۔

شارحِ بخاری، علامہ، ابو محمد، عبدالواحد، ابن تِیِّن، مغربی (م:611ھ) فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمَوْتٰى لَايَسْمَعُونَ بِلَا شَكٍّ .

''یقیناً مُردے نہیں سنتے۔'' (فتح الباري لابن حجر : 235/3)

شارحِ بخاری، مہلب بن احمد بن اسید تمیمی (م:435ھ) فرماتے ہیں:

لَا يَسْمَعُونَ، كَمَا قَالَ تَعَالٰى : ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (النمل 27: 80)، ﴿وَمَآ أَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ﴾ (فاطر 35: 22)

''مُردے نہیں سنتے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے: ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ (النمل 27: 80) ([اے نبی!] یقیناً آپ مُردوں کو نہیں سُنا سکتے)۔ نیز فرمایا: ([اے نبی!] آپ قبروں میں موجود لوگوں کو سنا نہیں سکتے)۔''

(شرح صحيح البخاري لابن بطّال : 320/3)

ثابت ہوا کہ قرآن و سنت میں مُردوں کے سننے کا کوئی ثبوت نہیں، اسی لیے سلف صالحین میں سے کوئی بھی سماعِ موتی کا قائل نہیں تھا۔ دین وہی ہے جو سلف صالحین نے سمجھا اور جس پر انہوں نے عمل کیا۔ باقی سب بدعات و خرافات ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں دین و ایمان کی سلامتی عطا فرمائے اور ساری زندگی سلف صالحین کے نقشِ قدم پر چلائے۔ آمین!

قائلینِ سماعِ موتی کے شبہات اور ان کا ازالہ

جو لوگ سماعِ موتی کے قائل ہیں، وہ دلائل کی دنیا میں نادار اور فقیر ہیں۔ ان کے پاس دلائل نہیں، شبہات ہیں، جن کی بنیاد پر وہ مُردوں کے سننے کے قائل ہیں۔ آیئے قرآن و سنت اور آثارِ سلف کی روشنی میں ان شبہات کا ازالہ کرتے ہیں:

شبہ نمبر ① : تفسیر ابن کثیر کی ایک الحاقی عبارت:

وَقَدْ شَرَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُمَّتِهِ : إِذَا سَلَّمُوا عَلٰى أَهْلِ الْقُبُورِ أَنْ يُّسَلِّمُوا عَلَيْهِمْ سَلَامَ مَنْ يُّخَاطِبُونَهٗ، فَيَقُولُ الْمسلِّمُ : السَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ، وَهٰذَا خِطَابٌ لِّمَنْ يَّسْمَعُ وَيَعْقِلُ، وَلَوْلَا هٰذَا الْخِطَابُ لَّكَانُوا بِمَنْزِلَةِ خِطَابِ الْمَعْدُومِ وَالْجَمَادِ، وَالسَّلَفُ مُجْمِعُونَ عَلٰى هٰذَا، وَقَدْ تَّوَاتَرَتِ الْآثَارُ عَنْهُمْ بِأَنَّ الْمَيِّتَ يَعْرِفُ بِزِيَارَةِ الْحَيِّ لَهٗ وَيَسْتَبْشِرُ .

''نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہ تعلیم دی ہے کہ جب وہ قبروں والوں کو سلام کہیں تو انہیں اسی طرح سلام کہیں جس طرح اپنے مخاطبین کو سلام کہتے ہیں۔چنانچہ سلام کہنے والا یہ کہے: «اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ دَارَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِينَ» (اے مومنوں کے گھروں [قبروں] میں رہنے والو! تم پر سلامتی ہو)۔سلام کا یہ انداز ان لوگوں سے اختیار کیا جاتا ہے جو سنتے اور سمجھتے ہیں۔اگر یہ سلام مخاطب کو کہا جانے والا سلام نہ ہوتا تو پھر مُردوں کو سلام کہنا معدوم اور جمادات کو سلام کہنے جیسا ہوتا۔سلف صالحین کا اس بات پر اجماع ہے۔ان سے متواتر آثار مروی ہیں کہ میت،قبر پر آنے والے زندہ لوگوں کو پہچانتی ہے اور خوش ہوتی ہے۔''

(تفسير ابن كثير : 325/6، بتحقيق سامي بن محمّد سلامة، طبع دار طيبة للنشر والتوزيع)

تفسیر ابن کثیر کی یہ عبارت الحاقی ہے جو کہ کسی ایسے ناقص نسخے سے لی گئی ہے جس کا ناسخ نامعلوم ہے، لہٰذا اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اگر ثابت بھی ہو جائے تو اس پر کوئی صحیح دلیل موجود نہیں، لہٰذ یہ عبارت ناقابل استدلال والتفات ہے۔

ڈاکٹر اسماعیل عبدالعال تفسیر ابن کثیر کے نسخوں کے بارے میں کہتے ہیں:

وَأَرٰى مِنَ الْوَاجِبِ عَلٰى مَنْ يَّتَصَدّٰى لِتَحْقِيقِ تَفْسِيرِ ابْنِ كَثِيرٍ تَحْقِيقًا عِلْمِيًّا دَقِيقًا، سِيَّمَا مِنَ الْمَآخِذِ، أَنْ لَّا يَعْتَمِدَ عَلٰى نُسْخَةٍ وَّاحِدَةٍ، بَلْ عَلَيْهِ أَنْ يَّجْمَعَ كُلَّ النُّسَخِ الْمَخْطُوطَةِ وَالْمَطْبُوعَةِ، وَيُوَازِنُ بَيْنَهَا مَعَ إِثْبَاتِ الزِّيَادَةِ وَالنَّقْصِ، وَالتَّحْرِيفِ وَالتَّصْحِيفِ .

''جو شخص تفسیر ابن کثیر کی دقیق اور علمی تحقیق کرنا چاہے،خصوصاً مختلف مآخذ کو مدنظر رکھتے ہوئے،تو میرے خیال میں اس پر یہ بھی ضروری ہے کہ وہ کسی ایک نسخے پر اعتماد نہ کر بیٹھے، بلکہ وہ تمام مخطوط اور مطبوع نسخوں کو جمع کرے، پھر زیادت ونقص اور تحریف وتصحیف کو سامنے رکھتے ہوئے سب نسخوں کا موازنہ کرے۔''

(ابن كثير ومنهجه في التفسير، ص : 128)

پھر تفسیر ابن کثیر جو سامی بن محمد سلامہ کی تحقیق کے ساتھ شائع ہوئی ہے ،جس کا حوالہ بھی اوپر مذکور ہے،اس میں محقق نے پندرہ نسخوں کو مدنظر رکھا ہے۔مذکورہ عبارت لکھنے کے بعد محقق لکھتے ہیں: زِيَادَةٌ مِّنْ ت، أ .

یعنی یہ عبارت نسخہ المحمّديّة جو ترکی میں ہے، میں مذکور ہے۔اس نسخے کا ناسخ (لکھنے والا) نامعلوم ہے۔نیز یہ عبارت نسخہ وليّ الله بن جار الله میں موجود ہے۔اس کا ناسخ علی بن یعقوب جو کہ ابن المخلص کے نام سے مشہور ہے۔اس کے حالات زندگی نہیں مل سکے۔یوں یہ دونوں نسخے قابل اعتماد نہ ہوئے۔

تفسیر ابن کثیر جو پانچ محققین کی تحقیق کے ساتھ پندرہ جلدوں میں شائع ہوئی ہے،اس کی پہلی طبع نسخہ أزهريّة اور نسخہ دارالكتب کے تقابل کے ساتھ چھپی ہے۔اس میں یہ عبارت نہیں ہے۔یہ بات بھی اس عبارت کے مشکوک ہونے کی واضح دلیل ہے۔

شبہ نمبر ② : قبرستان میں سلام کہنے والی دلیل :

بعض لوگوں نے سلام والی حدیث سے سماعِ موتی کا مسئلہ ثابت کیا ہے۔ان کے ہاتھ ''ضعیف'' روایات لگ گئی ہیں۔انہی کی بنیاد پر یہ کچھ ثابت کیا گیا ہے۔جبکہ کسی صحیح حدیث میں مُردوں کے سلام سننے کا ذکر تک نہیں۔

دارالعلوم دیوبند کے بانی جناب محمد قاسم نانوتوی صاحب (1248-1297ھ) کہتے ہیں:

''اپنے خیالِ نارسا کے موافق سمعِ اصوات،حدِّ اسماع سے تو پَرے ہے۔پَر استماعِ

اصوات ممکن ہے۔یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ خدا تعالیٰ نے تو ﴿إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى﴾ فرمایا اور نبی علیہ السلام نے باوجود اس کے، سلامِ اہلِ قبور مسنون کردیا۔اگر استماع ممکن نہیں تو یہ بے ہودہ حرکت، یعنی سلامِ اہلِ قبور، ملحدوں کی زبان درازی کے لیے کافی ہے۔''

(جمالِ قاسمی، ص:9)

یہ کوئی علمی بات ہے؟ جب دلائل نہ ہوں تو اسی طرح کے ''تیر تکّے'' لگائے جاتے ہیں اور وحی کے مقابلے میں عقلی گھوڑے دوڑائے جاتے ہیں۔یہ بات ہر ادنیٰ شعور رکھنے والا شخص بھی جانتا ہے کہ سلام دعا ہے۔اور جب میت کو سلام کہا جاتا ہے تو صرف بطورِ دُعا کہا جاتا ہے،ان کو سنانا مقصود نہیں ہوتا۔بالکل اسی طرح جیسے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود سے مخاطب ہو کر فرمایا تھا کہ:

[إِنِّي أَعْلَمُ أَنَّكَ حَجَرٌ، لَا تَضُرُّ وَلَا تَنْفَعُ ....]

''میں جانتا ہوں کہ تُو ایک پتھر ہے، تُو نہ نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔۔۔''

(صحيح البخاري : 1597، صحيح مسلم : 1270)

یہاں بھی حجر اسود کو سنانا مقصود نہیں تھا، بلکہ لوگوں کو بتانا مقصود تھا کہ میں حجر اسود کو صرف سنتِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں چومتا ہوں۔کوئی مسلمان یہ نہیں کہتا کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حجر اسود کو سنانے کے لیے یہ بات کہی تھی۔معلوم ہوا کہ بسا اوقات خطاب سنانے کے لیے نہیں بلکہ کسی اور مقصد کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔کیا کوئی عقلی میدان میں طبع آزمائی کرتے ہوئے یہ کہہ سکتا ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا حجر اسود، جو کہ جماد اور سننے کی صلاحیت سے محروم ہے، کو خطاب کرنا (معاذ اللہ!) ایک بے ہودہ حرکت تھی؟

عالَمِ عرب کے مشہور عالم، شیخ محمد بن صالح عثیمین رحمہ اللہ (م:1421ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَا يَلْزَمُ مِنَ السَّلَامِ عَلَيْهِمْ أَنْ يَّسْمَعُوا، وَلِهٰذَا كَانَ الْمُسْلِمُونَ يُسَلِّمُونَ عَلَى النَّبِيِّ فِي حَيَاتِهِ فِي التَّشَهُّدِ، وَهُوَ لَا يَسْمَعُهُمْ قَطْعًا .

''مُردوں کو سلام کہنے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ اسے سنتے ہیں۔مسلمان (خصوصاً

صحابہ کرام) نبی اکرم ﷺ کی زندگی میں تشہد پڑھتے ہوئے آپ ﷺ پر سلام کہتے تھے اور آپ ﷺ اسے قطعاً نہیں سنتے تھے۔‘‘(القول المفيد على كتاب التوحيد :288/1)

شیخ رحمہ اللہ نے بالکل درست فرمایا ہے۔اگر نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام کا تشہد میں پڑھا گیا سلام[اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ أَيُّهَا النَّبِيُّ!](اے نبی! آپ پر سلام ہو)سنتے تھے تو آپ ﷺ کو سب صحابہ کی ہر وقت خبر رہنی چاہیے تھی، کیونکہ سارے صحابہ کرام پانچ وقت کے نمازی تھے۔جبکہ بہت دفعہ ایسا ہوا کہ نبی اکرم ﷺ کو اپنے صحابہ کرام کے بارے میں دریافت کرنا پڑا کہ وہ کہاں ہیں اور کیسے ہیں؟

مثال کے طور پر ایک واقعہ ملاحظہ فرمائیں کہ ایک عورت (یا مرد) جو مسجد کی صفائی کا اہتمام کرتی تھی،فوت ہو گئی۔صحابہ کرام نے اس کا جنازہ پڑھا اور اسے دفنا دیا۔ آپ ﷺ نے اس عورت کے مسجد میں نہ آنے پر اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ کو بتلایا گیا کہ وہ تو کئی دن پہلے فوت ہو چکی ہے۔

(انظر صحيح البخاري : 460، صحيح مسلم : 956، وغيرهما من الكتب الحديثيّة)

اگر آپ ﷺ صحابہ کرام کا نماز میں پڑھا گیا سلام سنتے تھے تو اس عورت کے فوت ہونے کے بعد جو پہلی نماز کا وقت آیا تھا،اسی میں آپ ﷺ کو خبر ہو جانی چاہیے تھی کہ مسجد میں صفائی کرنے والی عورت نے نہ نماز پڑھی ہے،نہ سلام کہا ہے۔ایسا کچھ نہ ہونا، بلکہ آپ ﷺ کو اس کی وفات کا کئی دن بعد صحابہ کرام سے علم ہونا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ ہر سلام کا سنا جانا ضروری نہیں۔

یہی معاملہ مُردوں کو سلام کہنے کا ہے۔ان کو بھی صرف دُعا دینا مقصود ہوتا ہے،نہ کہ سنانا۔کسی صحیح حدیث سے مردوں کا سلام سننا ثابت نہیں۔ہمارا سوال ہے کہ اگر مُردے سنتے ہیں تو جواب کیوں نہیں دیتے؟ کسی نے آج تک مُردوں کی طرف سے جواب تو نہیں سنا،نہ کسی سماعِ موتیٰ کے قائل نے مُردوں کے جواب دینے کا دعویٰ کیا ہے۔جب بعض الناس کے نزدیک مردے سنتے بھی ہیں اور پہچانتے بھی ہیں تو خود سلام کیوں نہیں کہہ دیتے؟

معلوم ہوا کہ قبرستان میں کہا جانے والا سلام، سلامِ خطاب نہیں، سلامِ دُعا ہے اور دعا کا سنانا مقصود نہیں ہوتا۔

شارحِ بخاری، حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں:

وَاسْتَدَلَّ جَمَاعَةٌ مِّنْهُمْ عَبْدُ الْحَقِّ عَلٰی حُصُولِ الِاسْتِمَاعِ مِنَ الْمَيِّتِ بِمَشْرُوعِيَّةِ السَّلَامِ عَلَى الْمَوْتٰی، فَقَالُوا : لَوْ لَمْ يَسْمَعُوا السَّلَامَ لَكَانَ خِطَابُهُمْ بِهٖ عَبَثًا، وَهُوَ بَحْثٌ ضَعِيفٌ، لِأَنَّهٗ يَحْتَمِلُ خِلَافَ ذٰلِكَ، فَقَدْ ثَبَتَ فِي التَّشَهُّدِ مُخَاطَبَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَهُوَ لَا يَسْمَعُ جَمِيعَ ذٰلِكَ قَطْعًا، فَخِطَابُ الْمَوْتٰی بِالسَّلَامِ فِي قَوْلِ الَّذِي يَدْخُلُ الْمَقْبَرَةَ : السَّلَامُ عَلَيْكُمْ أَهْلَ الْقُبُورِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ، لَا يَسْتَلْزِمُ أَنَّهُمْ يَسْمَعُونَ ذٰلِكَ، بَلْ هُوَ بِمَعْنَى الدُّعَاءِ، فَالتَّقْدِيرُ : اللّٰهُمَّ ! اجْعَلِ [السَّلَامُ عَلَيْكُمْ] كَمَا تُقَدَّرُ فِي قَوْلِنَا : الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَإِنَّ الْمَعْنٰی : اللّٰهُمَّ اجْعَلِ الصَّلَاةَ وَالسَّلَامَ عَلٰی رَسُولِ اللّٰهِ، فَقَدْ ثَبَتَ فِي الْحَدِيثِ الصَّحِيحِ فِي أَنَّ الْعَبْدَ إِذَا قَالَ : السَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ، أَصَابَ كُلَّ عَبْدٍ صَالِحٍ، فَهُوَ خَبَرٌ بِمَعْنَى الطَّلَبِ، فَالتَّقْدِيرُ : اللّٰهُمَّ سَلِّمْ عَلَيْهِمْ، وَاللّٰهُ اَعْلَمُ .

”ایک جماعت، جن میں عبد الحق (اشبیلی) بھی شامل ہیں، نے مُردوں کو سلام کہنے کی مشروعیت سے سماعِ موتی پر استدلال کیا ہے۔ان کا کہنا ہے کہ مُردے سلام نہیں سنتے تو ان کو مخاطب کرنا فضول ہے۔۔۔لیکن یہ کمزور موقف ہے، کیونکہ مُردوں کو سلام کہنے میں اس (خطاب) کے برعکس اور احتمال بھی ہے۔ وہ یہ کہ تشہد میں نبی اکرم ﷺ کو مخاطب کر کے سلام کہنا ثابت ہے، لیکن آپ ﷺ تشہد میں سب لوگوں کی طرف سے کہے گئے سلام قطعاً نہیں سنتے۔اسی طرح قبرستان میں داخل ہونے والے شخص کا مؤمن مُردوں کو سلام کہنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے اللہ! ان پر سلامتی نازل فرما، جیسا کہ اَلصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَيْكَ

يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! کا مطلب ہے کہ (اے اللہ! تُو اپنے رسول پر رحمت اور سلامتی نازل فرما)۔صحیح حدیث میں ثابت ہے کہ جب بندہ تشہد میں کہتا ہے کہ اَلسَّلَامُ عَلَيْنَا وَعَلٰى عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِينَ (ہم پر بھی سلامتی ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر بھی) تو ہر نیک شخص تک یہ دُعا پہنچ جاتی ہے۔یوں یہ خبر بمعنیٰ انشاء ہوئی۔اس کا معنیٰ یہ ہوا کہ اے اللہ! تُو تمام نیک لوگوں پر سلامتی نازل فرما۔واللہ اعلم!''

(الإمتاع بالأربعين المتباينة السماع لابن حجر، ص : 86)

شبہ نمبر ③ : ایک بے سند روایت :

وَرَوٰى أَبُو الشَّيْخِ الْأَصْبَهَانِيُّ فِي كِتَابِ [ثَوَابِ الْأَعْمَالِ] بِإِسْنَادِهِ عَنْ عُبَيْدِ بْنِ أَبِي مَرْزُوقٍ، قَالَ : مَاتَتْ بِالْمَدِينَةِ امْرَأَةٌ يُّقَالُ لَهَا : أُمُّ مِحْجَنٍ، تَقُمُّ الْمَسْجِدَ، فَمَاتَتْ، فَلَمْ يَعْلَمْ بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَرَّ عَلٰى قَبْرِهَا، فَقَالَ : «مَا هٰذَا الْقَبْرُ؟»، قَالُوا : أُمُّ مِحْجَنٍ، فَقَالَ : «الَّتِي كَانَتْ تَقُمُّ الْمَسْجِدَ؟»، قَالُوا : نَعَمْ، فَصَفَّ النَّاسَ، وَصَلّٰى عَلَيْهَا، ثُمَّ قَالَ : «أَيَّ الْعَمَلِ وَجَدْتِّ أَفْضَلَ؟»، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! أَتَسْمَعُ؟ قَالَ : «مَا أَنْتُمْ بِأَسْمَعَ مِنْهَا»، فَذَكَرَ أَنَّهَا أَجَابَتْهُ : قَمُّ الْمَسْجِدِ .

(الترغيب والترهيب للمنذري :122/1، ح : 428، فتح الباري لابن رجب : 352/2)

تبصرہ : اس کی مکمل سند نہیں مل سکی۔بے سند روایات کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔جو ناقص سند موجود ہے،اس میں بھی عبید بن ابو مرزوق ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے امام ابن حبان کے (الثقات :157/7) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

امام بخاری(التاريخ الكبير : 5/6رقم 1496)،امام ابو حاتم الرازی(الجرح والتعديل : 13/6)اور دیگر نے اسے ''مرسل'' کہاہے۔محدثین کے نزدیک ''مرسل''

روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے۔

شبہ نمبر ④ : سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

جَاءَ أَعْرَابِيٌّ إِلَى النَبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَارَسُولَ اللّٰهِ! إِنَّ أَبِي كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ، وَكَانَ وَكَانَ، فَأَيْنَ هُوَ، قَالَ: «فِي النَّارِ»، قَالَ: فَكَأَنَّهُ وَجَدَ مِنْ ذٰلِكَ، فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ! فَأَيْنَ أَبُوكَ؟ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حَيْثُمَا مَرَرْتَ بِقَبْرِ مُشْرِكٍ، فَبَشِّرْهُ بِالنَّارِ»، قَالَ: فَأَسْلَمَ الْأَعْرَابِيُّ بَعْدُ، وَقَالَ: لَقَدْ كَلَّفَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعَبًا، مَا مَرَرْتُ بِقَبْرِ كَافِرٍ إِلَّا بَشَّرْتُهُ بِالنَّارِ.

''ایک دیہاتی شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض گزار ہوا: اللہ کے رسول! میرا والد صلہ رحمی اور بہت سے نیک کام کرتا تھا۔ وہ کہاں ہے؟ فرمایا: جہنم میں۔ اسے یہ بات ناگوار گزری اور کہنے لگا: اللہ کے رسول! آپ کے والد کہاں ہیں؟ فرمایا: جب بھی تُو کسی مشرک کی قبر کے پاس سے گزرے تو اسے جہنم کی بشارت دے۔ وہ دیہاتی بعد میں مسلمان ہوگیا اور کہنے لگا: اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مشقت والے کام میں مصروف کیا ہے۔ میں جب بھی کسی کافر کی قبر کے پاس سے گزرتا ہوں تو اسے جہنم کی بشارت دیتا ہوں۔''

(سنن ابن ماجہ: 1573)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ امام زہری ''مدلس'' ہیں اور بصیغہ ''عن'' روایت کررہے ہیں۔ کہیں بھی سماع کی تصریح نہیں ملی۔ البتہ اسی معنیٰ کی ایک روایت صحیح مسلم (203) میں بھی موجود ہے، لیکن اس روایت میں دیہاتی کو ہر مشرک کی قبر سے گزرتے ہوئے اسے جہنم کی بشارت دینے کا حکم مذکور نہیں۔

شبہ نمبر ⑤ : سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بقیع غرقد کے پاس سے گزرے

اورفرمایا: اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا أَهْلَ الْقُبُورِ ! أَخْبَارُ مَا عِنْدَنَا أَنَّ نِسَائَكُمْ قَدْ تَزَوَّجْنَ، وَدُورَكُمْ قَدْ سُكِنَتْ، وَأَمْوَالَكُمْ قَدْ فُرِّقَتْ، فَأَجَابَهُ هَاتِفٌ : يَا عُمَرُ بْنَ الْخَطَّابِ ! أَخْبَارُ مَا عِنْدَنَا أَنَّ مَا قَدَّمْنَاهُ، فَقَدْ وَجَدْنَاهُ، وَمَا أَنْفَقْنَاهُ، فَقَدْ رَبِحْنَاهُ، وَمَا خَلَّفْنَاهُ، فَقَدْ خَسِرْنَاهُ .

''قبروں والو! تم پر سلامتی ہو۔ہمارے پاس جو خبریں ہیں، وہ یہ ہیں کہ تمہاری عورتوں نے آگے نکاح کر لیے ہیں، تمہارے گھروں میں غیروں نے سکونت اختیار کر لی ہے اور تمہارے مال تقسیم کر دیے گئے ہیں۔ایک غیبی آواز نے جواب دیا: ہمارے پاس یہ خبر ہے کہ جو مال ہم نے آگے بھیجا تھا، وہ ہمیں مل گیا، جو اللہ کی راہ میں خرچ کیا تھا، وہ ہمارے لیے نفع مند ثابت ہوا اور جو ہم پیچھے چھوڑ کر آئے ہیں، وہ نقصان دہ ثابت ہوا۔''

(الهواتف لابن أبي الدنيا : 100)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① مطہر بن نعمان راوی کی توثیق نہیں مل سکی۔

② محمد بن جبیر کا سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سماع ثابت نہیں۔جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يَصِحُّ سَمَاعُهُ عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَإِنَّ الدَّارَقُطْنِيَّ (العلل :174/1) نَصَّ عَلٰى أَنَّ حَدِيثَهُ عَنْ عُثْمَانَ مُرْسَلٌ .

''اس کا سماع سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ثابت نہیں۔امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ اس کی سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے بیان کردہ حدیث مرسل ہوتی ہے۔''

(تهذيب التهذيب : 92/9)

جب محمد بن جبیر کا سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ سے سماع نہیں تو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے کیسے ممکن ہے؟ ہم حیران ہیں کہ بعض لوگ ایسا خام مال اپنی کتابوں میں کیوں لوڈ کرتے ہیں؟

شبہ نمبر ⑥ : (ا) سیدنا ابوعبداللہ، سیدان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے:

أَشْرَفَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَهْلِ الْقَلِيبِ، فَقَالَ : «يَا أَهْلَ الْقَلِيبِ ! هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَ رَبُّكُمْ حَقًّا؟» فَقَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! وَهَلْ يَسْمَعُونَ ؟ قَالَ : «يَسْمَعُونَ كَمَا تَسْمَعُونَ، وَلٰكِنْ لَّا يُجِيبُونَ» .

''نبی اکرم ﷺ نے بدر کے کنویں میں پڑے مقتولینِ کفار کی طرف جھانکا اور فرمایا: اے کنویں والو! کیا تم نے اپنے ربّ کے وعدے کو سچا پایا؟ صحابہ کرام نے عرض کی: اللہ کے رسول! کیا یہ سنتے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ بالکل تمہاری طرح سن رہے ہیں، لیکن جواب نہیں دے سکتے۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 165/7، ح : 6715، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : 444/3، ح : 3665)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① امام طبرانی کا استاذ عبد الوارث بن ابراہیم، ابو عبیدہ عسکری ''مجہول الحال'' ہے۔اس کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: لَمْ أَعْرِفْهُ .

(مجمع الزوائد : 212/5)

② یونس بن موسیٰ شامی راوی کی توثیق نہیں مل سکی۔

③ حسین بن حماد کا تعین اور توثیق درکار ہے۔

④ عبید اللہ بن غسیل راوی کون ہے، تعارف کرایا جائے۔

اس سند میں نامعلوم افراد نے قبضہ جما رکھا ہے۔لہٰذا یہ ناقابل اعتبار ہے۔

(ب) سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

وَقَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَهْلِ الْقَلِيبِ، فَقَالَ : «يَا أَهْلَ الْقَلِيبِ ! هَلْ وَجَدْتُّمْ مَّا وَعَدَكُمْ رَبُّكُمْ حَقًّا؟، فَإِنِّي قَدْ وَجَدْتُّ مَا وَعَدَنِي رَبِّي حَقًّا»، قَالُوا : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هَلْ يَسْمَعُونَ؟ قَالَ : «مَا أَنْتُمْ

بِأَسْمَعَ لِمَا أَقُولُ، مِنْهُمْ، وَلٰكِنَّهُمُ الْيَوْمَ لَا يُجِيبُونَ» .

''رسول اللہ ﷺ بدر کے کنویں میں پڑے مقتولینِ کفار کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا: اے کنویں والو! کیا تم نے اپنے ربّ کے وعدے کو سچ پایا؟ میں نے اپنے ربّ کے وعدے کو بالکل سچا پایا ہے۔صحابہ کرام نے عرض کیا: اللہ کے رسول! کیا یہ سن رہے ہیں؟ فرمایا :تم میری باتوں کو ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔لیکن آج یہ جواب دینے سے قاصر ہیں۔''

(السنّة لابن أبي عاصم : 884، وفي نسخة أخرٰى : 910، المعجم الكبير للطبراني : 160/10، ح : 10320)

تبصرہ: اس کی سند''ضعیف''ہے۔اس میں :

① اشعث بن سوّار راوی جمہور کے نزدیک''ضعیف''ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے''ضعیف'' کہا ہے۔(تقریب التهذیب : 524)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ أَحْمَدُ وَجَمَاعَةٌ .

''اسے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ائمہ کرام کے ایک گروہ نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(مجمع الزوائد : 240/2)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ نے اسے''ضعیف'' قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

فَالْأَكْثَرُ عَلٰى أَنَّهُ غَيْرُ مَرْضِيٍّ وَّلَا مُخْتَارٍ .

''اکثر محدثین کرام اسے ناقابل اعتبار اور ناپسندیدہ ہی سمجھتے ہیں۔''

(البدر المنير : 731/5)

② اس میں ابو اسحاق سبیعی کی''تدلیس''اور اختلاط بھی ہے۔

[من حديث أبي العبّاس الأصمّ] (84) کی سند میں ابان بن ابوعیاش راوی ''متروک''ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

فِإِنَّهُ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقٍ . ''یہ راوی باتفاقِ محدثین ضعیف ہے۔''

(فتح الباري : 239/9)

علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ [السنّة لابن أبي عاصم] کے حاشیہ میں فرماتے ہیں :

لٰكِنْ لَّيْسَ فِيهَا أَنَّ الْمَوْتٰى عَامَّةً يَّسْمَعُونَ، وَإِنَّمَا فِيهَا أَنَّ أَهْلَ الْقَلِيبِ سَمِعُوا قَوْلَهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيَّاهُمْ، فَهِيَ قَضِيَّةٌ خَاصَّةٌ، لَا عُمُومَ لَهَا......، وَيُؤَيِّدُهٗ قَوْلُ قَتَادَةَ الْمُتَقَدِّمُ : أَحْيَاهُمُ اللّٰهُ لَهٗ، فَالْقَضِيَّةُ خَاصَّةٌ، فَلَا يَجُوزُ أَنْ يُّلْحَقَ بِهَا غَيْرُهَا، فَيُقَالَ : إِنَّ الْمَوْتٰى كُلَّهُمْ يَسْمَعُونَ، كَمَا يَقُولُ كَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ الْيَوْمَ !

''لیکن اس حدیث سے تمام مُردوں کا (ہر بات کو) سننا ثابت نہیں ہوتا۔اس میں تو صرف یہ مذکور ہے کہ کنویں والے مقتولین نے وہ بات سنی تھی جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمائی تھی۔یہ ایک خاص واقعہ ہے جو عموم کا متحمل نہیں۔۔۔اس بات کی تائید امام قتادہ تابعی رحمہ اللہ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ان کفار کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ بات سننے کے لیے زندہ کر دیا تھا۔۔۔یوں یہ ایک خاص واقعہ ہے۔اسے عمومی رنگ دے کر یہ کہنا جائز نہیں کہ تمام مُردے سنتے ہیں، جیسا کہ موجودہ دَور میں اکثر لوگوں کا عقیدہ ہے۔''(ظلال الجنّة في تخريج السنّة : 428/2)

شبہ نمبر ⑦ : سعید بن مسیّب تابعی بیان کرتے ہیں :

دَخَلْنَا مَقَابِرَ الْمَدِينَةِ مَعَ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ، فَنَادٰى يَا أَهْلَ الْقُبُورِ ! السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ، تُخْبِرُونَّا بِأَخْبَارِكُمْ، أَمْ تُرِيدُونَ أَنْ نُّخْبِرَكُمْ؟ قَالَ : فَسَمِعْتُ صَوْتًا ؛ وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهٗ، يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ ! خَبِّرْنَا عَمَّا كَانَ بَعْدَنَا، فَقَالَ عَلِيٌّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ : أَمَّا أَزْوَاجُكُمْ، فَقَدْ تَزَوَّجْنَ، وَأَمَّا أَمْوَالُكُمْ، فَقَدِ اقْتُسِمَتْ، وَالْأَوْلَادُ قَدْ حُشِرُوا فِي زُمْرَةِ الْيَتَامٰى، وَالْبِنَاءُ الَّذِي شَيَّدْتُّمْ، فَقَدْ سَكَنَهَا أَعْدَائُكُمْ، فَهٰذِهٖ

أَخْبَارُكُمْ عِنْدَنَا، فَمَا أَخْبَارُنَا عِنْدَكُمْ؟ فَمَا عِنْدَكُمْ؟ فَأَجَابَهُ مَيِّتٌ : قَدْ تَخَرَّقَتِ الْأَكْفَانُ، وَانْتَثَرَتِ الشُّعُورُ، وَتَقَطَّعَتِ الْجُلُودُ، وَسَالَتِ الْأَحْدَاقُ عَلَى الْخُدُودِ، وَسَالَتِ الْمَنَاخِرُ بِالْقَيْحِ وَالصَّدِيدِ، وَمَا قَدَّمْنَاهُ وَجَدْنَاهُ، وَمَا خَلَّفْنَاهُ خَسِرْنَاهُ، وَنَحْنُ مُرْتَهَنُونَ بِالْأَعْمَالِ .

''ہم سیدنا علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ منورہ کے قبرستان میں داخل ہوئے۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے پکار کر کہا : قبروں والو! السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔تم ہمیں اپنے احوال سناؤ گے یا ہم سے سننا چاہتے ہو۔میں (سعید بن مسیّب) نے یہ آواز سنی : امیرالمؤمنین! وعلیک السلام ورحمۃ اللہ۔آپ ہمارے بعد ہونے والے واقعات ہمیں بتائیں۔سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا : تمہاری بیویوں نے آگے شادیاں کر لی ہیں،تمہارے مال تقسیم کر دیے گئے ہیں،تمہاری اولادیں یتیموں میں شمار ہونے لگی ہیں اور جو مکان تم نے بنائے تھے،ان میں تمہارے دشمنوں نے رہائش اختیار کر لی ہے۔ہمارے پاس تمہاری یہی خبریں تھیں۔اب تم بتاؤ کہ تمہارے پاس کیا خبریں ہیں؟ ایک میت نے جواب دیا : ہمارے کفن بوسیدہ ہو گئے ہیں،بال بکھر گئے ہیں، جلدیں پھٹ گئی ہیں، رونے کی وجہ سے آنکھوں کی سیاہی رخساروں پر بہہ چکی ہے،ناک سے کچ لہو اور پیپ کے فوارے نکل رہے ہیں۔جو چیزیں ہم نے آگے (اللہ کی راہ میں) بھیج دی تھیں،وہ ہمارے لیے نفع مند ثابت ہوئیں اور جن کو ہم (وارثوں کے لیے) پیچھے چھوڑ آئے تھے، وہ ہمارے لیے نقصان دہ ثابت ہوئی ہیں۔ہم اپنے اعمال کے بدلے میں گروی رکھے ہوئے ہیں۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 395/27)

تبصرہ : یہ سند باطل ہے، کیونکہ :

① عبداللہ بن حسن بن عبدالرحمٰن،ابوالقاسم بزاز کی توثیق نہیں مل سکی۔

② اس سند میں کئی اور راوی بھی ''مجہول'' ہیں،جیسا کہ امام بیہقی فرماتے ہیں :

فِي إِسْنَادِهِ قَبْلَ أَبِي زَيْدٍ النَّحْوِيِّ مَنْ يُّجْهَلُ .

''اس روایت کی سند میں ابوزید نحوی سے پہلے مجہول راوی موجود ہیں۔''

(تاریخ دمشق لابن عساکر : 395/27)

حافظ سیوطی اس روایت کے بارے کہتے ہیں: بِسَنَدٍ فِيهِ مَنْ يُّجْهَلُ .

''یہ ایسی سند کے ساتھ مروی ہے جس میں مجہول راوی موجود ہیں۔''

(الخصائص الکبریٰ : 113/2)

③ سفیان بن عیینہ ''مدلس'' ہیں اور ''عن'' سے روایت کررہے ہیں۔

لہٰذا یہ روایت قابل حجت نہیں ہوسکتی۔

شبہ نمبر ⑧ : عہدِ فاروقی میں ایک نوجوان تھا۔امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ اس سے بہت خوش تھے۔دن بھر مسجد میں رہتا، بعدعشاء باپ کے پاس جاتا۔ راہ میں ایک عورت کا مکان تھا۔اس پر عاشق ہوگئی۔ہمیشہ اپنی طرف متوجہ کرنا چاہتی مگر جوان نہیں دیکھتا تھا۔ایک رات قدم نے لغزش کی۔ساتھ ہولیا۔دروازے تک گیا۔جب اندر جانا چاہا،اللہ تعالی یاد آیا اور بے ساختہ یہ آیت کریمہ زبان سے نکلی :﴿اِنَّ الَّذِينَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طَآئِفٌ مِّنَ الشَّيْطَانِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ﴾ آیت پڑھتے ہی غش کھا کر گرا۔عورت نے اپنی کنیز کے ساتھ اٹھا کر اس کے دروازے پر پھینک دیا۔باپ منتظر تھا۔آنے میں دیر ہوئی۔دیکھنے نکلا۔دروازے پر بے ہوش پڑا پایا۔گھر والوں کو بلا کر اندر اٹھوایا۔رات گئے ہوش آئی۔باپ نے حال پوچھا۔کہا : خیریت ہے۔کہا : بتادے۔ناچار قصہ بیان کیا۔باپ بولا : جان پدر! وہ آیت کون سی ہے؟جوان نے پھر پڑھی۔پڑھتے ہی غش آیا۔حرکت دی،مُردہ حالت میں پایا۔رات ہی نہلا کر کفنا کر دفن کردیا۔صبح کو امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے خبر پائی۔باپ سے تعزیت کی اور خبر نہ دینے کی شکایت فرمائی۔عرض کی : اے امیر المومنین ! رات تھی۔پھر امیر المومنین ساتھیوں کو لے کر قبر پر گئے۔ فَقَالَ عُمَرُ : يَا فُلَانُ ! وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰانِ، فَأَجَابَهُ الْفَتٰى مِنْ دَاخِلِ الْقَبْرِ : يَا عُمَرُ ! قَدْ أَعْطَانِيهُمَا رَبِّي يَا عُمَرُ !

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا: اے فلاں! جو شخص اپنے ربّ کے سامنے جوابدہی سے ڈر جائے، اس کے لیے دو جنتیں ہیں۔ نوجوان نے قبر کے اندر سے جواب دیا: اے عمر! اللہ تعالیٰ نے وہ دونوں جنتیں مجھے عنایت فرما دی ہیں۔''

(ذم الهوٰى لابن الجوزي: 252-253، تاريخ دمشق لابن عساكر: 450/45)

تبصرہ: اس واقعہ کی سند باطل ہے، کیونکہ اس میں یحییٰ بن ایوب غافقی مصری (م:168ھ) کہتے ہیں: سَمِعْتُ مَنْ يَّذْكُرُ أَنَّهٗ كَانَ فِي زَمَنِ عُمَرَ .....

''میں نے ایک بیان کرنے والے کو سنا کہ عہدِ فاروقی میں ۔۔۔''

یوں یہ سند سخت ''معضل'' ہے۔ نہ جانے وہ قصہ گو کون تھا اور اس نے کہاں سے یہ حکایت سنی تھی؟

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ نے ایک قول کی سند بیان کرتے ہوئے کہا:

سَمِعْتُ بَعْضَ أَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰهِ (ابْنِ الْمُبَارَكِ) ....

''میں نے امام عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ کے ایک شاگرد کو یہ بیان کرتے ہوئے سنا۔۔۔''

(مقدمة صحيح مسلم: 19)

تو اس پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) کہتے ہیں:

سَمِعْتُ بَعْضَ أَصْحَابِ عَبْدِ اللّٰهِ، هٰذَا مَجْهُولٌ، وَلَا يَصِحُّ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ . ''امام اسحاق بن راہویہ کہتے ہیں کہ میں نے امام عبداللہ بن مبارک کے ایک شاگرد کو سنا ہے۔ یہ شاگرد مجہول ہے اور اس سند سے دلیل لینا صحیح نہیں۔''

(شرح صحيح مسلم: 19)

مبہم اور نامعلوم لوگوں کی روایات پر اپنے عقائد و اعمال کی بنیاد رکھنا جائز نہیں۔

شبہ نمبر ⑨: حَدَّثَنَا أَبُو عَقِيلٍ أَنَسُ بْنُ سَلْمٍ الْخَوْلَانِيُّ: ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ إِبْرَاهِيمَ بْنِ الْعَلَاءِ الْحِمْصِيُّ: ثَنَا إِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ: ثَنَا

عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدٍ الْقُرَشِيُّ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ سَعِيدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْأَوْدِيِّ، قَالَ : شَهِدْتُ أَبَا أُمَامَةَ، وَهُوَ فِي النَّزْعِ، فَقَالَ : إِذَا أَنَا مُتُّ، فَاصْنَعُوا بِي كَمَا أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ نَّصْنَعَ بِمَوْتَانَا، أَمَرَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ : «إِذَا مَاتَ أَحَدٌ مِّنْ إِخْوَانِكُمْ، فَسَوَّيْتُمِ التُّرَابَ عَلٰى قَبْرِهٖ، فَلْيَقُمْ أَحَدُكُمْ عَلٰى رَأْسِ قَبْرِهٖ، ثُمَّ لِيَقُلْ : يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانَةَ ! فَإِنَّهٗ يَسْمَعُهٗ، وَلَا يُجِيبُ، ثُمَّ يَقُولُ : يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانَةَ، فَإِنَّهٗ يَسْتَوِي قَاعِدًا، ثُمَّ يَقُولُ : يَا فُلَانَ بْنَ فُلَانَةَ ! فَإِنَّهٗ يَقُولُ : أَرْشِدْنَا رَحِمَكَ اللّٰهُ، وَلٰكِنْ لَّا تَشْعُرُونَ، فَلْيَقُلِ : اذْكُرْ مَا خَرَجْتَ عَلَيْهِ مِنَ الدُّنْيَا ؛ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُولُهٗ، وَأَنَّكَ رَضِيتَ بِاللّٰهِ رَبًّا، وَبِالْإِسْلَامِ دِينًا، وَبِمُحَمَّدٍ نَّبِيًّا، وَبِالْقُرْآنِ إِمَامًا، فَإِنَّ مُنْكَرًا وَّنَكِيرًا يَأْخُذُ وَاحِدٌ مِنْهُمْا بِيَدِ صَاحِبِهٖ، وَيَقُولُ : انْطَلِقْ بِنَا، مَا نَقْعُدُ عِنْدَ مَنْ قَدْ لُقِّنَ حُجَّتَهٗ، فَيَكُونُ اللّٰهُ حَجِيجَهٗ دُونَهُمَا»، فَقَالَ رَجُلٌ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! فَإِنْ لَّمْ يَعْرِفْ أُمَّهٗ؟ قَالَ : «فَيَنْسُبُهٗ إِلٰى حَوَّاءَ ؛ يَا فُلَانَ بْنَ حَوَّاءَ» .

''سعید بن عبداللہ اودی بیان کرتے ہیں کہ میں سیدنا ابو امامہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا، جب وہ جان کنی کی حالت میں تھے۔ وہ فرمانے لگے : جب میں فوت ہو جاؤں تو میرے ساتھ اسی طرح کا معاملہ کرنا، جس طرح ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے مُردوں کے ساتھ کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم فرمایا تھا کہ جب تم میں سے کوئی فوت ہو جائے اور تم اس کی قبر پر مٹی برابر کر چکو تو تم میں سے ایک شخص اس کی قبر کے سرہانے کی جانب کھڑا ہو کر کہے: اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں ! جب وہ یہ کہے گا تو مُردہ

اٹھ کر بیٹھ جائے گا، مُردہ یہ بات سنے گا، لیکن جواب نہیں دے گا۔ پھر وہ کہے: اے فلاں عورت کے بیٹے فلاں! وہ کہے گا: اللہ تجھ پر رحم کرے! ہماری رہنمائی کر، لیکن تم اس کا شعور نہیں رکھتے۔ پھر کہے کہ تُو اس بات کو یاد کر، جس پر دنیا سے رخصت ہوا ہے۔ اس بات کی گواہی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد ﷺ اس کے بندے اور رسول ہیں۔ تُو اللہ کے رب ہونے، محمد ﷺ کے نبی ہونے، اسلام کے دین ہونے اور قرآن کے امام ہونے پر راضی تھا۔ منکر اور نکیر میں سے ایک، دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کہتا ہے: چلو، جس آدمی کو اس کا جواب بتا دیا گیا ہو، اس کے پاس ہم نہیں بیٹھتے۔ چنانچہ دونوں کے سامنے اللہ تعالیٰ اس کا حامی بن جائے گا۔ ایک آدمی نے عرض کی: اللہ کے رسول! اگر وہ (تلقین کرنے والا) اس (مرنے والے) کی ماں کو نہ جانتا ہو تو (کیا کرے)؟ فرمایا: وہ اسے حوّاء علیہا السلام کی طرف منسوب کر کے کہے، اے حواء کے فلاں بیٹے!''

(المعجم الكبير للطبراني : 250/8، ح : 7979، الدعاء للطبراني : 298/3، ح : 1214، وصايا العلماء عند حضور الموت لابن زبر، ص : 46-47، الشافي لعبد العزيز، نقلًا عن التلخيص الحبير لابن حجر : 136/2، اتّباع الأموات للإمام إبراهيم الحربي، نقلًا عن المقاصد الحسنة للسخاوي : 265، الأحكام للضياء المقدسي، نقلًا عن المقاصد الحسنة : 265)

تبصرہ: یہ سند بوجوہ سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اسماعیل بن عیاش کی اہلِ حجاز سے بیان کردہ روایت ''ضعیف'' ہوتی ہے۔ مذکورہ روایت بھی اہلِ حجاز سے ہے، لہٰذا ''ضعیف'' ہے۔

امام اندلس، حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَإِسْمَاعِيلُ بْنُ عَيَّاشٍ (عِنْدَهُمْ) أَيْضًا غَيْرُ مَقْبُولِ الْحَدِيثِ، إِذَا حَدَّثَ عَنْ غَيْرِ أَهْلِ بَلَدِهِ، فَإِذَا حَدَّثَ عَنِ الشَّامِيِّينَ، فَحَدِيثُهُ مُسْتَقِيمٌ، وَإِذَا حَدَّثَ عَنِ الْمَدَنِيِّينَ وَغَيْرِهِمْ، مَا عَدَا الشَّامِيِّينَ، فَفِي حَدِيثِهِ خَطَأٌ كَثِيرٌ وَّاضْطِرَابٌ، وَلَا أَعْلَمُ بَيْنَهُمْ خِلَافًا أَنَّهُ لَيْسَ بِشَيْءٍ فِيمَا رَوٰى عَنْ غَيْرِ أَهْلِ بَلَدِهِ.

''اسماعیل بن عیاش جب اپنے علاقے والوں کے علاوہ کسی اور سے بیان کرے، تو محدثین کے ہاں اس کی حدیث بھی قبول نہیں ہوتی۔ جب وہ شامی لوگوں سے بیان کرے تو اس کی حدیث صحیح ہوتی ہے۔ جب شامیوں کے علاوہ مدنیوں اور دیگر علاقے والوں سے بیان کرے تو اس کی روایت میں بہت زیادہ غلطی اور اضطراب ہوتا ہے۔ میری معلومات کے مطابق محدثین کرام کا اس بات میں کوئی اختلاف نہیں کہ جب اسماعیل بن عیاش اپنے علاقے والوں کے علاوہ کسی سے بیان کرے تو اس کی حدیث قابل التفات نہیں ہوتی۔''

(التمهيد لما في المؤطّأ من المعاني والأسانيد : 429/6)

امام یعقوب بن سفیان فسوی رحمہ اللہ (م : 277ھ) فرماتے ہیں :

وَتَكَلَّمَ قَوْمٌ فِي إِسْمَاعِيلَ، وَإِسْمَاعِيلُ ثِقَةٌ، عَدْلٌ، أَعْلَمُ النَّاسِ بِحَدِيثِ الشَّامِ، وَلَا يَدْفَعُهُ دَافِعٌ، وَأَكْثَرُ مَا تَكَلَّمُوا، قَالُوا : يُغْرِبُ عَنْ ثِقَاتِ الْمَدَنِيِّينَ وَالْمَكِّيِّينَ .

''کچھ اہل علم نے اسماعیل بن عیاش پر جرح کی ہے۔ اسماعیل ثقہ اور عدل ہیں، شام کی حدیث کو سب سے بڑھ کر جاننے والے ہیں۔ کوئی بھی ان کو ردّ نہیں کرتا۔ زیادہ سے زیادہ ان کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ یہ مدینہ اور مکہ کے رہنے والے ثقہ راویوں سے منکر روایات بیان کرتے ہیں۔''

(المعرفة والتاريخ : 424/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

صُدُوقٌ فِي رِوَايَتِهٖ عَنْ أَهْلِ بَلَدِهٖ، مُخَلِّطٌ فِي غَيْرِهِمْ .

''جب اپنے اہل علاقہ سے بیان کرے تو صدوق ہوتا ہے اور جب کسی اور سے بیان کرے تو حافظے کی خرابی کا شکار ہوتا ہے۔'' (تقريب التهذيب : 473)

یہ روایت بھی حجازیوں سے ہے۔ لہٰذا ضعیف ہے۔ یہ جرح مفسر ہے۔

② اس روایت کا ایک راوی عبداللہ بن محمد قرشی غیر معروف ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : عَبْدُ اللّٰهِ، لَا يُدْرٰى مَنْ هُوَ .

''یہ عبد اللہ نامی راوی، معلوم نہیں ہو سکا کہ کون ہے؟''

(میزان الاعتدال : 244/3، ت : عمران بن ہارون)

③ یحییٰ بن ابو کثیر ''مدلس'' ہیں۔اس روایت میں ان کے سماع کی تصریح نہیں ملی، لہٰذا یہ نا قابل قبول روایت ہے۔

④ اس کے ایک راوی سعید بن عبد اللہ اودی کی توثیق نہیں مل سکی۔اسی لیے حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَفِي إِسْنَادِهِ جَمَاعَةٌ، لَمْ أَعْرِفْهُمْ .

''اس (طبرانی) کی سند میں کئی راوی ایسے ہیں، جنہیں میں پہچان نہیں سکا۔''

(مجمع الزوائد : 45/3)

لہٰذا حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کا یہ کہنا صحیح نہیں کہ: إِسْنَادُهُ صَالِحٌ، وَقَدْ قَوَّاهُ الضِّيَاءُ فِي أَحْكَامِهِ . ''اس کی سند حسن ہے۔امام ضیاء مقدسی نے اسے اپنی کتاب احکام میں اسے مضبوط قرار دیا ہے۔''(التلخيص الحبير : 2/135-136، ح : 796)

جبکہ خود حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ایک مقام پر اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ، وَسَنَدُ الْحَدِيثِ مِنَ الطَّرِيقَيْنِ ضَعِيفٌ جِدًّا .

''یہ حدیث غریب ہے اور اس کی دونوں سندیں ضعیف ہیں۔''

(الفتوحات الربّانيّة : 196/4)

اسی لیے حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ ہمارے شیخ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی بعض تصانیف میں ''ضعیف'' کہا ہے۔(المقاصد الحسنة، ص : 265)

اس حدیث کے بارے میں دیگر اہل علم کی آراء بھی ملاحظہ فرمائیں:

① حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے شیخ حافظ عراقی رحمہ اللہ (725-806ھ) فرماتے ہیں:

اَلطَّبْرَانِيُّ هٰكَذَا بِإِسْنَادٍ ضَعِيفٍ . ''اس روایت کو امام طبرانی نے اسی طرح ضعیف سند کے ساتھ بیان کیا ہے۔''(تخريج أحاديث الإحياء : 420/4)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) کہتے ہیں: إِسْنَادُهُ ضَعِيفٌ .

''اس کی سند ضعیف ہے۔''(المجموع شرح المهذب : 257/5)

③ حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ (557-663ھ) فرماتے ہیں:

لَيْسَ إِسْنَادُهٗ بِالْقَائِمِ . ''اس کی سند قابل حجت نہیں۔''

(فتاوی ابن الصلاح :261/1، الأذكار للنووي، ص : 138)

④ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (557-751ھ) فرماتے ہیں :

ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ أَهْلِ الْعِلْمِ بِالْحَدِيثِ .

''محدثین کرام کا اس حدیث کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔''

(تحفة المودود، ص : 149)

نیز فرماتے ہیں: لَا تَقُومُ بِهٖ حُجَّةٌ .

''اسے دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔''(تهذيب السنن : 250/7)

⑤ حافظ ہیثمی (735-807ھ) فرماتے ہیں:

وَفِي إِسْنَادِهٖ جَمَاعَةٌ، لَمْ أَعْرِفْهُمْ .

''اس کی سند میں کئی راوی ایسے ہیں جنہیں میں پہچان نہیں پایا۔''

(مجمع الزوائد : 45/3)

حافظ سیوطی (869-911ھ) کہتے ہیں: اَلتَّلْقِينُ لَمْ يَثْبُتْ فِي حَدِيثٍ صَحِيحٍ وَّلَا حَسَنٍ، بَلْ حَدِيثُهٗ ضَعِيفٌ بِاتِّفَاقِ الْمُحَدِّثِينَ .

''(قبر پر) تلقین کرنا کسی صحیح یا حسن حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ اس بارے میں مروی حدیث باتفاقِ محدثین ضعیف ہے۔''(الحاوي للفتاوى : 191/2)

نیز کہتے ہیں: فِي مُعْجَمِ الطَّبْرَانِيِّ بِسَنَدٍ ضَعِيفٍ .

''یہ روایت ضعیف سند کے ساتھ معجم طبرانی میں موجود ہے۔''

(الدرر المنتثرة في الأحاديث المشتهرة : 469)

لہٰذا علامہ عینی حنفی(البناية في شرح الهداية : 177/3) کا اس کی سند کو ''صحیح'' کہنا بے معنیٰ

اور نا قابل التفات ہے۔

نیز حافظ ابن ملقن کا اس کے بارے میں یہ کہنا بھی قطعاً صحیح نہیں کہ:

إِسْنَادُهٗ، لَا أَعْلَمُ بِهٖ بأْسًا . ''اس کی سند میں مجھے کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا۔''(البدر المنیر : 334/5)

کیونکہ ایک مقام پر وہ خود اسماعیل بن عیاش کے بارے میں لکھتے ہیں:

وَهُوَ عَنْ غَيْرِ الشَّامِيِّينَ لَيْسَ بِشَيْءٍ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

''جمہور محدثین کرام کے نزدیک اس کی غیر شامیوں سے روایت نا قابل التفات ہے۔''

(البدر المنیر : 543/4)

اور اس سند میں اسماعیل بن عیاش غیر شامیوں سے روایت کر رہا ہے۔

ثابت ہوا کہ ائمہ حدیث اور علمائے سنت کے نزدیک یہ روایت ''ضعیف'' ہے۔

علامہ صنعانی رحمہ اللہ (1099-1162ھ) فرماتے ہیں:

وَيَتَحَصَّلُ مِنْ كَلَامِ أَئِمَّةِ التَّحْقِيقِ أَنَّهٗ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ .

''محققین ائمہ دین کے کلام سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے۔''

(سبل السلام : 157/2)

تنبیہ : اس روایت کو ''ضعیف'' قرار دینے کے بعد حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) لکھتے ہیں: وَقَدِ اتَّفَقَ عُلَمَاءُ الْمُحَدِّثِينَ وَغَيْرُهُمْ عَلَى السَّمَاحَةِ فِي أَحَادِيثِ الْفَضَائِلِ، وَ التَّرْغِيبِ وَالتَّرْهِيبِ .

''محدثین کرام اور دیگر اہل علم کا فضائل اور ترغیب و ترہیب پر مبنی احادیث کے بارے میں نرمی برتنے پر اتفاق ہے۔''(المجموع شرح المهذب : 257/5-258)

حافظ نووی رحمہ اللہ کے ردّ و جواب میں مشہور اہل حدیث عالم، علامہ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ (1332-1420ھ) فرماتے ہیں:

وَلَا يَرِدُ هُنَا مَا اشْتَهَرَ مِنَ الْقَوْلِ بِالْعَمَلِ بِالْحَدِيثِ الضَّعِيفِ فِي

فَضَائِلِ الْأَعْمَالِ، فَإِنَّ هٰذَا مَحَلُّهُ فِيمَا ثَبَتَتْ مَشْرُوعِيَّتُهُ بِالْكِتَابِ أَوِ السُّنَّةِ الصَّحِيحَةِ، وَأَمَّا مَا لَيْسَ كَذَالِكَ، فَلَا يَجُوزُ الْعَمَلُ بِهِ بِالْحَدِيثِ الضَعِيفِ لِأَنَّهُ تَشْرِيعٌ، وَلَا يَجُوزُ ذٰلِكَ بِالْحَدِيثِ الضَعِيفِ، لِأَنَّهُ يُفِيدُ إِلَّا الظَّنَّ الْمَرْجُوحَ اتِّفَاقًا، فَكَيْفَ يَجُوزُ الْعَمَلُ بِمِثْلِهِ .

''فضائل اعمال میں ضعیف حدیث پر عمل کرنے کے بارے میں جو بات مشہور ہے، اس کا اطلاق یہاں نہیں ہوسکتا۔اس کا اطلاق تو ان اعمال پر ہوتا ہے جن کی مشروعیت قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے ثابت ہے۔جو عمل کتاب وسنت سے ثابت نہ ہو،اس بارے میں ضعیف حدیث پر عمل جائز نہیں، کیونکہ یہ (ثواب کے لیے عمل کرنا) شریعت ہے اور شریعت ضعیف حدیث سے ثابت نہیں ہوتی۔ضعیف حدیث بالاتفاق مرجوح ظن کا فائدہ دیتی ہے۔ ایسی کمزور دلیل پر عمل کرنا کیونکر جائز ہوا؟''

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمّة : 65/2)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَمْ يَقُلْ أَحَدٌ مِّنَ الْأَئِمَّةِ : إِنَّهُ يَجُوزُ أَنْ يُّجْعَلَ الشَّرْعُ وَاجِبًا أَوْ مُسْتَحَبًّا بِحَدِيثٍ ضَعِيفٍ، وَمَنْ قَالَ هٰذَا فَقَدْ خَالَفَ الْإِجْمَاعَ .

''ائمہ دین میں سے کسی نے یہ نہیں کہا کہ ضعیف حدیث کی بنیاد پر کسی عمل کو واجب یا مستحب کہنا جائز ہے۔جو شخص ایسا دعویٰ کرتا ہے،وہ اجماعِ امت کا مخالف ہے۔''

(مجموع الفتاوی :251/1)

بعض اہل علم کا خیال ہے کہ اس ''ضعیف'' حدیث کے کئی شواہد بھی ہیں۔ہم وہ شواہد بھی قارئین کرام کی نظر کر رہے ہیں، ملاحظہ فرمائیں :

① (ا) وَأَخْرَجَ ابْنُ مَنْدَةَ عَنْ أَبِي أُمَامَةَ، قَالَ : إِذَا مُتُّ فَدَفَنْتُمُونِي، فَلْيَقُمْ إِنْسَانٌ عِنْدَ رَأْسِي، فَلْيَقُلْ : يَا صُدَيَّ بْنَ عَجْلَانَ ! اذْكُرْ

مَا كُنْتَ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا ؛ شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ .

''سیدنا ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، انہوں نے فرمایا: جب میں فوت ہو جاؤں اور تم مجھے دفن کر چکو تو ایک انسان میرے سر کے پاس کھڑے ہو کر کہے : اے صدی بن عجلان (سیدنا ابوامامہ کا نام)! اس عقیدے کو یاد کر جس پر تُو زندگی میں قائم تھا، یعنی توحیدِ الٰہی و رسالتِ محمدی کا اقرار۔'' (الدرّ المنثور للسيوطي : 39/5)

تبصرہ : یہ اثر بے سند ہونے کی وجہ سے باطل ہے۔ دین کی بنیاد سند پر ہے۔

(ب) مذکورہ بالا مرفوع روایت کی ایک دوسری سند بھی ہے۔

عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ : حَدَّثَنَا حَمَادُ بْنُ عَمْرٍو عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ يَحْيَى بْنِ أَبِي كَثِيرٍ، عَنْ سَعِيدٍ الْأَوْدِيِّ، قَالَ : ....

(المنتقٰى من مسموعات مرو للضياء المقدسي : 21، ذكر الموت لابن شاهين، نقلًا عن المقاصد الحسنة للسخاوي : 265)

تبصرہ : یہ سفید جھوٹ ہے۔ اس سند کو گھڑنے والا حماد بن عمرو نصیبی ہے۔

اس کے بارے میں امام یحییٰ بن معین رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

مِمَّنْ يَّكْذِبُ، يَضَعُ الْحَدِيثَ .

''یہ کذاب اور حدیث گھڑنے والا راوی ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 10/3، وسندهٗ حسنٌ)

امام ابن شاہین رحمہ اللہ فرماتے ہیں : لَمْ يَكُنْ بِثِقَةٍ، قَدْ رَأَيْتُهٗ .

''یہ ثقہ نہیں تھا۔ میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔''

(تاريخ أسماء الضعفاء والكذّابين : 129)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : يَضَعُ وَضْعًا عَلَى الثِّقَاتِ .

''یہ روایات خود گھڑ کر ثقہ راویوں کے ذمے تھوپ دیتا تھا۔''

(كتاب المجروحين من المحدّثين والضعفاء والمتروكين : 252/1)

امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْکَرُ الْحَدِیثِ، ضَعَّفَهُ عَلِيُّ بْنُ حُجْرٍ .

''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔اسے علی بن حجر نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(التاريخ الأوسط : 291/2، الرقم : 2646، التاريخ الكبير : 28/3)

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں: يَرْوِي عَنْ جَمَاعَةٍ مِّنَ الثِّقَاتِ أَحَادِيثَ مَوْضُوعَةً سَاقِطَةً . ''یہ کئی ثقہ راویوں سے منسوب کر کے من گھڑت اور سخت ضعیف روایات بیان کرتا ہے۔(المدخل إلى الصحيح، ص : 129، الرقم : 39)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قَدْ عَدَّهُ السَّلَفُ فِيمَنْ يَّضَعُ الْحَدِيثَ .

''اسے سلف صالحین نے حدیث گھڑنے والوں میں شمار کیا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 240/4، ت : عبدالله بن ضرار)

معلوم ہوا کہ یہ راوی باتفاق محدثین کذاب اور وضّاع ہے۔لہٰذا یہ سند جھوٹی ہے۔

امام مسلم بن حجاج رحمہ اللہ (204-261ھ) فرماتے ہیں:

فَأَمَّا مَا كَانَ مِنْهَا عَنْ قَوْمٍ، هُمْ عِنْدَ أَهْلِ الْحَدِيثِ مُتَّهَمُونَ، أَوْ عِنْدَ الْأَكْثَرِ مِنْهُمْ، فَلَسْنَا نَتَشَاغَلُ بِتَخْرِيجِ حَدِيثِهِمْ .

''جن راویوں پر تمام محدثین کرام کے ہاں یا اکثر کے ہاں حدیث گھڑنے کا الزام ہو، ہم ان کی حدیث بیان کرنے میں مشغول نہیں ہوتے۔''

(مقدمة صحيح مسلم)

اس روایت میں عبداللہ بن محمد قرشی راوی غیر معروف راوی ہے، نیز یحییٰ بن ابو کثیر ''مدلس'' ہے، سماع کی تصریح نہیں کی۔پھر سعید ازدی یا سعید اودی بھی ''مجہول'' ہے۔

اس کا ایک شاہد قاضی خلعی کی کتاب [الفوائد](41) میں مذکور ہے۔اس کی سند بھی موضوع (من گھڑت) ہے۔محدث البانی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ ضَعِيفٌ جِدًّا، لَمْ أَعْرِفْ أَحَدًا مِّنْهُمْ غَيْرَ عُتْبَةَ بْنِ السَّكَنِ،

قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ (السنن : 184/2، 250/3) : مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ، وَقَالَ الْبَيْهَقِيُّ : وَاهٍ، مَنْسُوبٌ إِلَى الْوَضْعِ . ''یہ حدیث ضعیف ہے۔میں عتبہ بن سکن کے علاوہ اس کے راویوں میں سے کسی کو بھی نہیں پہچان پایااور عتبہ کے بارے میں امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ متروک الحدیث ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : یہ ضعیف راوی ہے اور اس پر حدیثیں گھڑنے کا الزام ہے۔''

(سلسلة الأحاديث الضعيفة والموضوعة وأثرها السيء في الأمّة : 599)

عتبہ بن سکن سخت مجروح راوی ہے۔اس کے بارے میں امام ابن حبان فرماتے ہیں : يُخْطِئُ وَيُخَالِفُ . ''یہ غلطیاں کرتا ہے اور ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔''

(الثقات : 508/8)

حافظ ابن الجوزی کہتے ہیں: قَالَ الدَّارَقُطَنِيُّ : مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، مَتْرُوكُ الْحَدِيثِ . ''امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے منکر الحدیث اور متروک قرار دیا ہے۔''

(الضعفاء والمتروكون : 2255)

حافظ بزار فرماتے ہیں: قَدْ رَوٰى عَنِ الْأَوْزَاعِيِّ أَحَايث لَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهَا. ''اس نے امام اوزاعی رحمہ اللہ کی طرف منسوب کر کے منکر روایات بیان کی ہیں۔''

(مسند البزار : 4166)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَهُوَ مَتْرُوكٌ . ''یہ متروک راوی ہے۔''

(مجمع الزوئد : 202/3، ح : 5230)

اس سند کے دیگر راویوں کی توثیق بھی نہیں ملی۔لہٰذا یہ سند بالکل باطل ہے۔

(ج) وَعَنْ ضَمْرَةَ بْنِ حَبِيبٍ أَحَدِ التَّابِعِينَ، قَالَ : كَانُوا يَسْتَحِبُّونَ إِذَا سُوِّيَ عَلَى الْمَيِّتِ قَبْرُهُ، وَانْصَرَفَ النَّاسُ عَنْهُ، أَنْ يُّقَالَ عِنْدَ قَبْرِهِ : يَا فُلَانُ ! قُلْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، يَا فُلَانُ ! قُلْ : رَبِّيَ اللّٰهُ، وَدِينِيَ الْإِسْلَامُ، وَنَبِيِّي مُحَمَّدٌ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''ایک تابعی ضمرہ بن حبیب کہتے ہیں کہ جب میت پر قبر کو برابر کر دیا جاتا اور لوگ واپس چلے جاتے تو وہ اس کی قبر کے پاس یہ کہنا مستحب سمجھتے تھے : اے فلاں ! تو لَا إِلٰہَ إِلَّا اللّٰہُ کہہ (تین مرتبہ)، اے فلاں! تو کہہ کہ میرا رب اللہ ہے اور میرا دین اسلام ہے اور میرے نبی محمد ﷺ ہیں۔''

(سنن سعید بن منصور، نقلًا عن بلوغ المرام من جمع أدلّة الأحکام لابن حجر : 471)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، اس میں ''اشیاخ من اہل حمص'' مجہول و نامعلوم ہیں، لہٰذا یہ نا قابلِ حجت اور نا قابلِ عمل ہے۔

(د) حکم بن حارث سلمی نے کہا:

إِذَا دَفَنْتُمُونِي وَرَشَشْتُمْ عَلٰی قَبْرِي، فَقُومُوا عَلٰی قَبْرِي، وَاسْتَقْبِلُوا الْقِبْلَۃَ، وَادْعُوا لِي . ''جب تم مجھے دفن کر دو اور میری قبر پر پانی چھڑک دو تو میری قبر پر کھڑے ہو کر قبلے کی طرف رُخ کرو اور میرے لیے دُعا کرو۔''

(المعجم الکبیر للطبراني : 215/3، ح : 3171)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔حافظ ہیثمی فرماتے ہیں :

عَطِیَّۃُ الدُّعَاءُ، وَلَمْ أَعْرِفْہُ . ''عطیہ دُعا کو میں نہیں پہچانتا۔''

(مجمع الزوائد : 44/3)

دوسری بات یہ ہے کہ اس کا مروجہ تلقین سے کیا تعلق ہے؟ قبر پر کھڑے ہو کر دعا کرنا تو جائز ہے۔حیرانی والی بات تو یہ ہے کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے حدیث ابو امامہ کا شاہد بنایا ہے۔

(ہ) امام سعید بن مسیّب تابعی رحمہ اللہ کہتے ہیں:

حَضَرْتُ ابْنَ عُمَرَ فِي جَنَازَۃٍ، فَلَمَّا وَضَعَھَا إِلَی اللَّحْدِ، قَالَ : بِسْمِ اللّٰہِ، وَعَلٰی مِلَّۃِ رَسُولِ اللّٰہِ . ''میں سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما کے ساتھ ایک جنازے

میں حاضر ہوا۔ جب انہوں نے میت کو لحد میں رکھا گیا تو فرمایا: اللہ کے نام سے اور رسول اللہ ﷺ کے طریقے پر۔“(سنن ابن ماجه : 1553، المعجم الكبير للطبراني : 212/12، ح : 13094، السنن الکبریٰ للبیهقي : 55/4)

تبصرہ: یہ سخت ترین ”ضعیف“ روایت ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی حماد بن عبدالرحمٰن کلبی ”ضعیف“ ہے۔(تقريب التهذيب : 1502)

حافظ بوصیری (م: 840ھ) کہتے ہیں:

هٰذَا إِسْنَادٌ فِيهِ حَمَّادُ بْنُ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، هُوَ مُتَّفَقٌ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

”اس سند میں حماد بن عبد الرحمٰن راوی موجود ہے جس کو ضعیف قرار دینے پر تمام محدثین متفق ہیں۔“(مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه :505/1)

② ادریس بن صبیح اودی راوی ”مجہول“ ہے۔

امام ابو حاتم الرازی نے اسے ”مجہول“ قرار دیا ہے۔

(الجرح و التعديل لابن أبي حاتم : 264/2)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے فرمایا ہے: يُغْرِبُ وَ يُخْطِيءُ عَلٰى قِلَّتِهٖ .

”بہت کم روایات بیان کرنے کے باوجود اس کی روایات میں نکارت اور غلطیاں موجود ہیں۔“(الثقات : 78/6)

امام ابن عدی نے اسے ادریس بن یزید اودی قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَوْلُ ابْنِ عَدِيٍّ أَصْوَبُ .

”امام ابن عدی رحمہ اللہ کا قول ہی زیادہ صائب ہے۔“

(تهذيب التهذيب :171/1، وفي نسخة :195/1)

یہ بات بے دلیل ہونے کی وجہ سے درست نہیں۔

اس ضعیف روایت کا مروجہ بدعتی تلقین سے دور کا بھی تعلق نہیں۔معلوم ہوا شواہد کی رَٹ لگانے والوں کا دامن بالکل خالی ہے۔

فائدہ نمبر ① : حلبی، علامہ سبکی سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

حَدِيثُ تَلْقِينِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِابْنِهٖ، لَيْسَ لَهٗ أَصْلٌ، أَيْ صَحِيحٌ أَوْ حَسَنٌ . ''نبی اکرم ﷺ کے اپنے بیٹے کو تلقین کرنے والی روایت کی کوئی صحیح یا حسن سند موجود نہیں۔''(السيرة الحلبيّة : 437/3)

فائدہ نمبر ② : حافظ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) لکھتے ہیں:

فَهٰذَا الْحَدِيثُ، وَإِنْ لَّمْ يَثْبُتْ، فَاتِّصَالُ الْعَمَلِ بِهٖ فِي سَائِرِ الْأَمْصَارِ وَالْأَعْصَارِ مِنْ غَيْرِ إِنْكَارٍ، كَافٍ فِي الْعَمَلِ بِهٖ .

''یہ حدیث اگرچہ صحیح ثابت نہیں،لیکن تمام علاقوں میں ہر زمانے میں اس پر بغیر انکار کے عمل ہوتا رہا ہے۔یہی بات اس پر عمل کے جائز ہونے کے لیے کافی ہے۔''
(الروح، ص : 16)

کتاب الروح کے متعلق محدث العصر،علامہ،ناصر الدین البانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فَإِنِّي فِي شَكٍّ كَبِيرٍ مِّنْ صِحَّةِ نِسْبَةِ [الرَّوْحِ] إِلَيْهِ، أَوْ لَعَلَّهٗ أَلَّفَهٗ فِي أَوَّلِ طَلَبِهٖ لِلْعِلْمِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ . ''میں کتاب الروح کی علامہ ابن القیم کی طرف نسبت کے حوالے سے کافی شک و شبہ میں مبتلا ہوں۔(یا تو یہ ان کی تصنیف ہی نہیں)یا پھرانہوں نے اپنے طلب ِعلم کے اوائل میں اسے تالیف کیا تھا۔واللہ اعلم!''
(تحقيق الآيات البيّنات في عدم سماع الأموت : 39)

ہوسکتا ہے کہ یہ عبارت الحاقی ہو، یعنی کسی ناسخ کی غلطی سے درج ہوگئی ہو، کیونکہ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ خود سیرتِ نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

وَلَمْ يَكُنْ يَّجْلِسُ يَقْرَأُ عِنْدَ الْقَبْرِ، وَلَا يُلَقِّنُ الْمَيِّتَ، كَمَا يَفْعَلُهُ النَّاسُ الْيَوْمَ .

''آپ ﷺ قبر کے پاس قراءت کرنے نہیں بیٹھتے تھے،نہ ہی(قبر پر)میت کو تلقین کرتے تھے،جیسا کہ موجودہ زمانے میں لوگ کرتے ہیں۔''

(زاد المعاد في هدي خير العباد :522/1)

اگر کسی ضعیف روایت کے حکم پر بعض لوگ عمل کریں تو وہ صحیح نہیں ہو جاتی ہے۔لوگوں کے عمل سے سند کا صحیح ہونا محدثین کرام کا مذہب نہیں۔اگر کسی روایت کے حکم پر،یعنی اس سے ماخوذ مسئلہ پر اجماعِ امت ثابت ہو جائے،تب بھی وہ سند ''ضعیف''ہی رہے گی،البتہ وہ مسئلہ اجماعِ امت کی وجہ سے شرعی درجہ حاصل کر لے گا۔حدیث ابو امامہ رضی اللہ عنہ پر اگر بعض لوگوں نے عمل کیا ہے تو ان کے عمل سے اسے کچھ تقویت نہیں ملے گی۔اس پر مستزاد یہ کہ بہت سے اہل علم نے اسے ''ضعیف وغیر ثابت'' قرار دیا ہے۔اور تلقین کو بدعت قرار دیا ہے۔

قبر پر تلقین اور علمائے دین

① علامہ عزبن عبدالسلام رحمہ اللہ (577-660ھ) فرماتے ہیں:

لَمْ يَصِحَّ فِي التَلْقِينِ شَيءٌ وَّهُوَ بِدْعَةٌ، وَقَوْلُهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «لَقِّنُوا مَوْتَاكُمْ : لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ» مَحْمُولٌ عَلٰى مَنْ دَنَا مَوْتُهٗ وَيَئِسَ مِنْ حَيَاتِهٖ .

''مُردے کو تلقین کرنے کے بارے میں کوئی حدیث ثابت نہیں۔یہ بدعت ہے۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان کہ اپنے مرنے والوں کو لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ کی تلقین کرو،اس شخص کے بارے میں ہے جس کی موت کا وقت قریب ہو اور اس کی زندگی کی امید نہ رہے۔''

(فتاوی العزّ بن عبد السلام، ص : 427)

② علامہ ابن قدامہ مقدسی رحمہ اللہ (541-620ھ) لکھتے ہیں:

فَأَمَّا التَّلْقِينُ بَعْدَ الدَّفْنِ، فَلَمْ أَجِدْ فِيهِ عَنْ أَحْمَدَ شَيْئًا، وَلَا أَعْلَمُ فِيهِ لِلْأَئِمَّةِ قَوْلًا، سِوٰى مَا رَوَاهُ الْأَثْرَمُ، قَالَ : قُلْتُ لِأَبِي عَبْدِ اللّٰهِ : فَهٰذَا الَّذِي يَصْنَعُونَ إِذَا دُفِنَ الْمَيِّتُ، يَقِفُ الرَّجُلُ، وَيَقُولُ : يَا فُلَانُ بْنَ فُلَانَةَ ! اذْكُرْ مَا فَارَقْتَ عَلَيْهِ، شَهَادَةَ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ ؟ فَقَالَ : مَا رَأَيْتُ أَحَدًا فَعَلَ هٰذَا إِلَّا أَهْلَ الشَّامِ، حِينَ مَاتَ أَبُو الْمُغِيرَةِ جَاءَ إِنْسَانٌ، فَقَالَ ذَاكَ، قَالَ : وَكَانَ أَبُو الْمُغِيرَةِ يَرْوِي فِيهِ عَنْ أَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي مَرْيَمَ، عَنْ أَشْيَاخِهِمْ، أَنَّهُمْ كَانُوا يَفْعَلُونَهٗ .

''میت کو دفن کرنے کے بعد اسے تلقین کرنے کے بارے میں امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے مجھے کوئی بات معلوم نہیں ہوسکی۔اس بارے میں ائمہ دین میں سے کسی اور امام کا بھی کوئی قول مجھے نہیں ملا۔البتہ علامہ اثرم کا بیان ہے کہ میں نے ابوعبداللہ (امام احمد رحمہ اللہ) سے پوچھا: یہ جو لوگ میت کو دفن کرنے کے بعد کرتے ہیں کہ ایک آدمی قبر پر کھڑا ہو جاتا ہے اور کہتا ہے: اے فلاں عورت کے فلاں بیٹے! جس عقیدۂ توحید پر تو نے دنیا کو چھوڑا تھا، اس کو یاد کر۔امام صاحب نے فرمایا: میں نے شام والوں کے علاوہ کسی کو ایسا کرتے نہیں دیکھا۔جب ابومغیرہ فوت ہوئے تو ایک شخص آیا اور اس نے ایسا کیا۔ابومغیرہ اس بارے میں ابوبکر بن ابومریم سے ایک روایت بیان کرتے تھے، ابوبکر بن ابومریم اپنے (نامعلوم) شیوخ کا یہ عمل نقل کرتے تھے۔۔۔'' (المغني : 377/2)

③ شیخ مرداوی (م: 885ھ) کہتے ہیں: وَالنَّفْسُ تَمِيلُ إِلٰى عَدَمِهٖ ...

''میرا قلبی میلان تلقین کے جائز نہ ہونے کی طرف ہے۔''

(الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف : 549/2)

④ علامہ ابن القیم رحمہ اللہ (691-751ھ) لکھتے ہیں:

وَلَمْ يَكُنْ يَّجْلِسُ يَقْرَأُ عَنْدَ الْقَبْرِ، وَلَا يُلَقِّنُ الْمَيِّتَ، كَمَا يَفْعَلُهُ النَّاسُ الْيَوْمَ.

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم قبر کے پاس قراءت کرنے نہیں بیٹھتے تھے، نہ ہی (قبر پر) میت کو تلقین کرتے تھے، جیسا کہ موجودہ زمانے میں لوگ کرتے ہیں۔''

(زاد المعاد في هدي خير العباد : 522/1)

⑤ حافظ سیوطی (869-911ھ) لکھتے ہیں:

ذَهَبَ جُمْهُورُ الْأَئِمَّةِ إِلٰى أَنَّ التَّلْقِينَ بِدْعَةٌ.

''جمہور ائمہ کرام کا مذہب یہ ہے کہ (قبر پر) تلقین بدعت ہے۔'' (الحاوي للفتاوی : 191/2)

⑥ حنفی مذہب کی معتبر ترین کتاب میں لکھا ہے:

وَأَمَّا التَّلْقِينُ بَعْدَ الْمَوْتِ، فَلَا يُلَقَّنُ عِنْدَنَا فِي ظَاهِرِ الرِّوَايَةِ، كَذَا فِي

الْعَيْنِيِّ شَرْحِ الْهِدَايَةِ، وَمِعْرَاجِ الدِّرَايَةِ .

''ظاہر روایت کے مطابق ہمارے (احناف کے) نزدیک موت کے بعد تلقین نہیں کرنی چاہیے۔علامہ عینی کی شرح ہدایہ اور معراج الدرایہ میں یہی لکھا ہے۔''

(الفتاوی الهنديّة المعروف به فتاوٰی عالمگیری :157/1)

⑦ شیخ زادہ حنفی (م:1078ھ) لکھتے ہیں:

وَقَالَ أَكْثَرُ الْأَئِمَّةِ وَالْمَشَايِخِ : لَا يَجُوزُ .

''اکثر ائمہ اور مشائخ کہتے ہیں کہ یہ جائز نہیں۔''

(مجمع الأنهر في شرح ملتقى الأبحر :179/1، وفي نسخة :264/1)

⑧ علامہ صنعانی رحمہ اللہ (1099-1182ھ) فرماتے ہیں:

وَيَتَحَصَّلُ مِنْ كَلَامِ أَئِمَّةِ التَّحْقِيقِ أَنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفٌ، وَالْعَمَلُ بِهِ بِدْعَةٌ، وَلَا يُغْتَرُّ بِكَثْرَةِ مَنْ يَّفْعَلُهُ . ''محققین ائمہ کے کلام سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے اور اس پر عمل کرنا بدعت ہے۔بہت سے لوگ ایسا کرتے ہیں، ان کے عمل سے دھوکا نہیں کھا کر اسے جائز نہیں سمجھنا چاہیے۔'' (سبل السلام : 161/2)

⑨ محمد بن عبداللہ تمرتاشی حنفی لکھتے ہیں :

وَلَا يُلَقَّنُ بَعْدَ تَلْحِيدِهِ . ''میت کی تدفین کے بعد تلقین نہ کی جائے۔''

(تنوير الأبصار، ص : 619)

⑩ علامہ شمس الحق عظیم آبادی رحمہ اللہ (م:1329ھ) فرماتے ہیں:

وَالتَّلْقِينُ بَعْدَ الدَّفْنِ، قَدْ جَزَمَ كَثِيرٌ أَنَّهُ حَادِثٌ .

''بہت سے اہل علم نے تصریح کی ہے کہ دفن کرنے کے بعد میت کو تلقین کرنا بدعت ہے۔''

(عون المعبود في شرح أبي داود : 269/8)

تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ (یہ پورے دس حوالے ہیں)

لطیفہ : علامہ ابن عابدین شامی حنفی (م: 1252ھ) لکھتے ہیں:

وَإِنَّمَا لَا يُنْهٰى عَنِ التَّلْقِينِ بَعْدَ الدَّفْنِ، لِأَنَّهُ لَا ضَرَرَ فِيهِ، بَلْ فِيهِ نَفْعٌ .

''دفن کے بعد تلقین سے منع اس لیے نہیں کیا گیا کہ اس میں کوئی نقصان نہیں، بلکہ فائدہ ہے۔''(رد المختار: 797/1)

قارئین کرام! آپ نے اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرما لیے ہیں۔غور کیجیے کہ شامی حنفی صاحب ایک بدعت کے بارے میں یہ فرما رہے ہیں کہ اس سے منع نہیں کیا گیا۔بھلا جو عمل شرعی دلیل سے ثابت نہ ہو اور علمائے دین اسے بدعت قرار دیتے ہوں،اس کو جائز قرار دینے کے لیے یہ کافی ہے کہ اس سے منع نہیں کیا گیا؟کیا نماز جنازہ کی ایک سے زائد رکعات سے منع کیا گیا ہے؟ پھر اس پر بھی کیا دلیل ہے کہ بدعی تلقین میت کو نفع دیتی ہے؟

دفن کے بعد میت کے حق میں ثابت قدمی کی دعا کرنا سنت ہے۔اس کے برخلاف بعض لوگوں نے تلقین گھڑ لی ہے۔

مفتیٔ دارالعلوم دیوبند، جناب عزیز الرحمٰن صاحب (م: 1347ھ) سے سوال ہوا کہ:

''بعد دفن کے تلقین کرنا جائز ہے یا نہ؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟''

جواب: ''تلقین بعد الدفن کو فقہاء نے جائز رکھا ہے۔''

(فتاویٰ دارالعلوم دیوبند: 392/5)

یہ کون سے فقہاء ہیں؟ اور ان فقہاء کو کس نے اختیار دیا ہے کہ جو عمل بغیر دلیل کے ہو اور ائمہ دین اسے بدعت کہتے ہوں، وہ اسے جواز کا درجہ دے دیں؟

جناب سرفراز خان صفدر حیاتی دیوبندی صاحب بھی اس بدعت کے دفاع میں لکھتے ہیں:

''البتہ دفن کے بعد تلقین کرنا عند القبر (قبر کے پاس) ہے۔مگر وہ تو وَالدُّعَاءُ عِنْدَهَا قَائِمًا (قبر کے پاس کھڑے ہو کر دُعا کرنے) کی مد میں ہے، جو سنت سے ثابت ہے۔''

(راہِ سنت، ص: 228)

یاد رہے کہ دفن کے بعد میت کو تلقین کرنے والے بدعی عمل میں دیوبندی اور بریلوی

دونوں متفق ہیں۔دیوبندی حضرات نے قبر پر تلقین کو دعا پر قیاس کیا ہے۔اور بریلویوں نے قبر پر اذان کو اس تلقین پر قیاس کرلیا۔حالانکہ عرفاً وشرعاً نہ تلقین دعا ہے اور نہ اذان تلقین ہے۔شریعتِ اسلامیہ میں نہ قبر پر اذان ثابت ہے ،نہ ہی دفن کے بعد قبر پر تلقین ثابت ہے۔لہٰذا ایک بے اصل چیز کو دوسری بے اصل چیز پر قیاس کرنا اہل حق کا شیوہ نہیں ہوسکتا۔

الحاصل : اللہ تعالیٰ کا قانون ہے کہ مُردے سن نہیں سکتے۔البتہ دیگر کئی کلّی قواعد وقوانین کی طرح اس قاعدے میں بھی کچھ استثناءات موجود ہیں جو صحیح احادیث سے ثابت ہوتی ہیں،مثلاً مُردے دفن کے بعد واپس جانے والے لوگوں کے جوتوں کی آواز سنتے ہیں،نیز بدر میں جہنم واصل ہونے والے کفار کو نبی اکرم ﷺ کا خطبہ سنا تھا۔

کچھ لوگوں کو انہی استثناءات نے اس شبہے میں مبتلا کر دیا ہے کہ مُردے سنتے ہیں، حالانکہ دلائلِ شرعیہ کی وجہ سے صرف یہی استثناء ات اس کُلّی قاعدے سے خارج ہوں گی،عدمِ سماعِ موتی والا پورا قانونِ شریعت تبدیل نہیں ہوگا۔جو لوگ ان استثناءات کی بنا پر اس کُلّی قاعدے کا انکار کر جاتے ہیں،ان سے گزارش ہے کہ اگر ان کے طرزِعمل کو اپنا کر کوئی شخص دیگر کُلّی قواعد کا انکار کر دے،مثلاً آدم علیہ السلام کی بن ماں اور بن باپ پیدائش اور عیسیٰ علیہ السلام کی بن باپ کے پیدائش والی آیات کو لے کر انسانوں کے ماں اور باپ دونوں سے پیدا ہونے کے کُلّی قانون کا انکار کر دے یا مُردہ حالت میں مچھلی کی حلت والی نصِ شرعی کو لے کر مُردار کی حرمت والے کُلّی قاعدے کا انکار کر بیٹھے یا مَردوں کے لیے چند انگلیوں کے برابر ریشم کی حلت والی حدیث کو بنیاد بنا پر مَردوں کے لیے ریشم کی حرمت والے کُلّی قاعدے کا انکار کر دے۔۔۔تو کیا یہ طرزِعمل درست ہوگا؟

قرآن وسنت اور فہم سلف کی روشنی میں ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مُردے نہیں سنتے،البتہ وہ حالات و واقعات اس سے خارج ہیں،جن کی شریعت نے خود وضاحت کر دی ہے۔یا مُردے سنتے ہیں،لیکن خاص ان حالات و واقعات میں جن کی نصوصِ شرعیہ میں تعیین وتخصیص ہو چکی ہے۔جو شخص کسی حال میں کسی مُردے کے کسی بات کو سننے کا دعویٰ کرے،اس کے پاس اس

بارے میں ضرور کوئی خاص نصِ شرعی ہونی چاہیے، ورنہ اس کا دعویٰ باطل اور مردود ہونے کے ساتھ ساتھ شریعتِ اسلامیہ سے کھلواڑ اور مذاق متصور ہوگا۔ اگر کوئی شخص اپنے دعوے پر کوئی خاص نصِ شرعی پیش کر دے تو کسی مسلمان کو اس خاص صورت میں مُردے یا مُردوں کے سننے کا انکار کرنے کی گنجائش نہیں رہے گی، البتہ اس خاص صورت کے علاوہ عام حالات میں مُردوں کا نہ سن سکنا، پھر بھی اپنی جگہ پر مسلمہ قانونِ شریعت رہے گا۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے! آمین

❀❀❀❀❀❀❀

بریلوی بندر کا قیام

عبداللہ اختر

''اعلیٰ حضرت'' احمد رضا خان بریلوی لکھتے ہیں:

''میں اپنے پرانے مکان میں، جس میں میرے منجھلے بھائی مرحوم رہا کرتے تھے، مجلس میلاد پڑھ رہا تھا۔ ایک بندر سامنے دیوار پر چپکا مؤدّب بیٹھا سن رہا تھا۔ جب قیام کا وقت آیا، مؤدّب کھڑا ہو گیا۔ پھر جب بیٹھے، وہ بھی بیٹھ گیا۔ وہ بندر (بریلوی [از ناقل]) تھا، وہابی نہ تھا۔'' (ملفوظاتِ اعلیٰ حضرت بریلوی: 46/3، طبع مدینہ پبلشنگ، کراچی)

ہمارا بریلوی بھائیوں سے مؤدبانہ سوال ہے کہ کیا وہ صحابہ کرام، تابعینِ عظام اور ائمہ دین، حتیٰ کہ امام ابوحنیفہ سے بھی مجلس میلاد کا انعقاد اور پھر اس میں قیامِ میلاد ثابت کر سکتے ہیں؟ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو اعلیٰ حضرت کی زبانی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین ''وہابی'' ہوئے!!!

ہم ''اعلیٰ حضرت'' کی اس دیدہ دہنی پر یہی کہہ سکتے ہیں انہیں بندروں کا مذہب مبارک ہو، ہمیں تو صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کا مذہب ہی کافی ہے؟

پیارے رسول کی پیاری بیٹیاں

ابوسعید سلفی

دنیا میں اس شخص سے بڑھ کر شقی اور بد بخت کون ہوسکتا ہے جو پیغمبر اسلام، محمد کریم ﷺ کی پیاری بیٹیوں کو کسی کالے کافر کی اولاد قرار دے، جو جہالت وضلالت کا سوداگر بن کر یہ نعرہ بلند کرے کہ رسول اللہ ﷺ کی صرف ایک ہی بیٹی تھی، جو اپنے غلیظ دامن میں یہ عقیدہ بھی رکھتا ہو کہ اہل بیت کی تحقیر وتصغیر فرضِ عین ہے، جو بصیرتِ قلبی سے محروم ہو کر قرآنی و حدیثی اور اجماعی دلائل کو پس پشت ڈالتے ہوئے یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے بابا نہیں، محض مُرَبِّی تھے؟؟؟

روزِ محشر کا وہ منظر کتنا اندوہناک ہوگا جب ان ناانصافوں کے خلاف نبی اکرم ﷺ کی پیاری بیٹیاں اللہ احکم الحاکمین کی عدالت میں مقدمہ دائر کریں گی کہ انہوں نے ہماری نسبت ہمارے پاک بابا سے توڑنے اور ایک ناپاک کافر سے جوڑنے کی کوشش کی تھی اور اللہ تعالیٰ ان ظالموں اور باغیوں کو گرفتار کر کے عبرت ناک عذاب سے دوچار کرے گا۔ وہ دن بہت جلد آنے والا ہے جس دن ان کے ناپاک ارادے خاک میں مل جائیں گے۔

بناتِ رسول کے بارے میں شیعہ کا موقف

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) شیعہ کے بارے میں فرماتے ہیں:

بَلْ مِنْهُمْ مَّنْ يُّنْكِرُ أَنْ تَكُونَ زَيْنَبُ، وَرُقَيَّةُ، وَأُمُّ كُلْثُومٍ، مِنْ بَنَاتِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيَقُولُونَ: إِنَّهُنَّ لِخَدِيجَةَ، مِنْ زَوْجِهَا الَّذِي كَانَ كَافِرًا، قَبْلَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

''ان میں سے بعض تو ایسے بھی ہیں جو سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کے بناتِ رسول ہونے کے منکر ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ یہ تینوں سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی اس کافر خاوند سے پیدا ہونے والی بیٹیاں ہیں جس سے انہوں نے رسولِ اکرم ﷺ کے عقد میں آنے سے

پہلے نکاح کیا تھا۔‘‘(منهاج السنّة النبويّة في نقض كلام الشيعة والقدريّة : 493/4)

ایک مقام پر فرماتے ہیں : وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ : إِنَّ رُقَيَّةَ، وَأُمَّ كُلْثُومٍ، زَوْجَتَيْ عُثْمَانَ، لَيْسَتَا بِنْتَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلٰكِنْ هُمَا بِنْتَا خَدِيجَةَ مِنْ غَيْرِهٖ، وَلَهُمْ فِي الْمُكَابَرَاتِ وَجَحْدِ الْمَعْلُومَاتِ بِالضَّرُورَةِ أَعْظَمُ مِمَّا لِأُولٰئِكَ النَّوَاصِبِ الَّذِينَ قَتَلُوا الْحُسَيْنَ، وَهٰذَا مِمَّا يُبَيِّنُ أَنَّهُمْ أَكْذَبُ وَأَظْلَمُ وَأَجْهَلُ مِنْ قَتَلَةِ الْحُسَيْنِ . ’’بعض شیعہ کہتے ہیں کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کی دونوں بیویاں ،سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہما، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹیاں نہیں، بلکہ وہ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کی پہلے خاوند سے ہونے والی بیٹیاں ہیں۔سینہ زوری اور مسلمات کا انکار کرنے میں شیعہ لوگ ان ناصبیوں سے بھی چار ہاتھ آگے ہیں جنھوں نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کو شہید کیا تھا۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ شیعہ لوگ قاتلین حسین سے بڑھ کر جھوٹے، ظالم اور جاہل ہیں۔‘‘(منهاج السنّة النبويّة : 368/4)

آیئے اب اس بارے میں شیعہ کے اہل علم کے اقوال ملاحظہ فرمائیں :

① مشہور شیعہ ابوالقاسم علی بن احمد بن موسیٰ کوفی (م :352ھ) نے لکھا ہے :

وَصَحَّ لَنَا فِيهِمَا مَا رَوَاهُ مَشَايِخُنَا مِنْ أَهْلِ الْعِلْمِ عَنِ الْأَئِمَّةِ مِنْ أَهْلِ الْبَيْتِ عَلَيْهِمُ السَّلَامُ، وَذٰلِكَ أَنَّ الرِّوَايَةَ صَحَّتْ عِنْدَنَا عَنْهُمْ أَنَّهٗ كَانَتْ لِخَدِيجَةَ بِنْتِ خُوَيْلِدٍ مِّنْ أُمِّهَا أُخْتٌ، يُقَالُ لَهَا هَالَةُ، قَدْ تَزَوَّجَهَا رَجُلٌ مِّنْ بَنِي مَخْزُومٍ، فَوَلَدَتْ بِنْتًا اسْمُهَا هَالَةَ، ثُمَّ خَلَفَ عَلَيْهَا بَعْدَ أَبِي هَالَةَ رَجُلٌ مِّن تَمِيمٍ، يُقَالُ لَهٗ أَبُو هِنْدٍ، فَأَوْلَدَهَا ابْنًا، كَانَ يُسَمّٰى هِنْدَ ابْنَ أَبِي هِنْدٍ، وَابْنَتَيْنِ، فَكَانَتَا هَاتَانِ الِابْنَتَانِ مَنْسُوبَتَيْنِ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ (ص) ؛ زَيْنَبُ وَرُقَيَّةُ ....

’’ان دونوں (رقیہ اور زینب) کے بارے میں ہم اپنے اہل علم اور ائمہ اہل بیت کی اس روایت کو درست مانتے ہیں کہ ماں کی طرف سے ایک بہن تھی جس کا نام ہالہ تھا۔اس کی

شادی بنومخزوم کے ایک شخص سے ہوئی۔اس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی،اس کا نام بھی ہالہ ہی رکھا گیا۔ابوہالہ کی وفات کے بعد خدیجہ کی بہن سے بنوتمیم کے ایک شخص ابوہند نے شادی کر لی۔اس سے ایک لڑکا ہند بن ابوہند اور دولڑکیاں پیدا ہوئیں۔یہی دولڑکیاں زینب اور رقیہ رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب ہوئیں۔۔۔‘‘(الاستغاثة في بدع الثلاثة :68/1)

② مشہور شیعہ ابن شہر آشوب (م:588ھ) نے لکھا ہے:

يُؤَكِّدُ ذٰلِكَ مَا ذُكِرَ فِي كِتَابَي الْأَنْوَارِ وَالْبِدَعِ أَنَّ رُقَيَّةَ وَزَيْنَبَ كَانَتَا ابْنَتَيْ هَالَةَ أُخْتِ خَدِيجَةَ . ’’اس کی تائید اس بات سے بھی ہوتی ہے جو الانوار اور البدع نامی کتابوں میں مذکور ہے کہ رقیہ اور زینب ،خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں ہیں۔‘‘

(مناقب آل أبي طالب :159/1)

③ مشہور شیعہ ملا احمد بن محمد المعروف بہ مقدس اردبیلی (م:993ھ) نے لکھا ہے:

قِيلَ : هُمَا رُقَيَّةُ وَزَيْنَبُ كَانَتَا ابْنَتَيْ هَالَةَ أُخْتِ خَدِيجَةَ، وَلَمَّا مَاتَ أَبُوهُمَا رُبِّيَتَا فِي حِجْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَمَا كَانَتْ عَادَةُ الْعَرَبِ فِي نِسْبَةِ الْمُرَبّٰى إِلَى الْمُرَبِّي، وَهُمَا اللَّتَانِ تَزَوَّجَهُمَا عُثْمَانُ بَعْدَ مَوْتِ زَوْجَيْهِمَا .

’’کہا جاتا ہے کہ رقیہ اور زینب دونوں خدیجہ کی بہن ہالہ کی بیٹیاں تھیں۔جب ان کا والد فوت ہو گیا تو ان دونوں نے رسول اللہ ﷺ کی گود میں پرورش پائی۔یوں ان کی نسبت آپ ﷺ کی طرف ہو گئی،جیسا کہ عربوں کی عادت تھی کہ پرورش کرنے والے کی طرف نسبت کر دیتے تھے۔ان دونوں کے خاوند فوت ہونے کے بعد ان سے عثمان نے شادی کر لی تھی۔‘‘(حاشية زبدة البيان في أحكام القرآن، ص : 575)

④ مشہور شیعہ محمد مہدی بن صالح موسوی (م:1348ھ) نے لکھا ہے:

مَا زَعَمَهُ (أَيِ ابْنُ تَيْمِيَّةَ) مِنْ أَنَّ تَزْوِيجَ بِنْتَيْهِ لِعُثْمَانَ فَضِيلَةٌ لَّهُ، مِنْ عَجَائِبِهٖ، مِنْ حَيْثُ ثُبُوتِ الْمُنَازَعَةِ أَنَّهُمَا بِنْتَاهُ .

’’ابن تیمیہ نے جو کہا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی دو بیٹیوں سے شادی،عثمان کے لیے

فضیلت کا باعث ہے، عجیب بات ہے، کیونکہ ان دونوں کے رسول اللہ ﷺ کی بیٹیاں ہونے میں اختلاف ثابت ہے۔'' (منهاج الشريعة في الردّ على ابن تيميّة : 289/2)

مزید کہتا ہے: قَدْ عَرَفْتَ عَدَمَ ثُبُوتِ أَنَّهُمَا بِنْتَا خَيْرِ الرُّسُلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم، وَعَدَمَ وُجُودِ فَضْلٍ لَّهُمَا، تَسْتَحِقَّان بِهِ الشَّرَفَ وَالْقِدَمَ عَلٰى غَيْرِهِمَا . ''آپ یہ بات بخوبی جان چکے ہیں کہ ان دونوں کا نبی اکرم ﷺ کی بیٹیاں ہونا ثابت نہیں، نہ ان کے لیے کوئی فضیلت موجود ہے جس کی وجہ سے وہ دوسروں پر شرف وفضل کی مستحق ہوں۔'' (منهاج الشريعة : 291/2)

پیارے رسول ﷺ کی پیاری بیٹیوں کے بارے میں یہ تو تھا شیعہ کا موقف، اب ملاحظہ فرمائیں:

بناتِ رسول کے بارے میں اہل سنت کا موقف

نبی کریم ﷺ کی بیٹیوں کے بارے میں اہل سنت کا موقف یہ ہے کہ آپ ﷺ کی چار صاحبزادیاں تھیں۔ان کے نام بالترتیب سیدہ زینب، سیدہ رقیہ، سیدہ ام کلثوم اور سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہن ہیں۔

اہل حق کے دلائل

دلیل نمبر ① : اجماع

اس بات میں اہل حق کے دوفرد بھی باہم اختلاف نہیں کرتے، جیسا کہ:

① حافظ ابن عبد البر رحمہ اللہ (368-463ھ) فرماتے ہیں:

وَوَلَدُهُ ـ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ـ مِنْ خَدِيجَةَ أَرْبَعُ بَنَاتٍ، لَا خِلَافَ فِي ذٰلِكَ . ''آپ ﷺ کی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے چار بیٹیاں تھیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔'' (الاستيعاب في معرفة الأصحاب :50/1، وفي نسخة :89/1 بحاشية الإصابة)

② حافظ عبد الغنی مقدسی رحمہ اللہ (541-600ھ) فرماتے ہیں:

فَالْبَنَاتُ أَرْبَعٌ بِلَا خِلَافٍ . ”آپ ﷺ کی چار بیٹیاں ہیں۔اس میں کسی کو کوئی اختلاف نہیں۔“(الدرّة المضيّة على السيرة النبويّة : 8/6 مع التعليق)

③ حافظ صفدی رحمہ اللہ (696-764ھ) فرماتے ہیں:

قَالَ الْحَافِظُ عَبْدُ الْغَنِيِّ : فَالْبَنَاتُ أَرْبَعٌ بِلَا خِلَافٍ .

”حافظ عبد الغنی فرماتے ہیں کہ رسولِ اکرم ﷺ کی چار بیٹیاں ہونے میں کوئی اختلاف نہیں۔“(الوافي بالوفيّات :79/1)

④ حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) لکھتے ہیں:

فَالْبَنَاتُ أَرْبَعٌ بِلَا خِلَافٍ .

”آپ ﷺ کی بالاتفاق چار بیٹیاں ہیں۔“(تهذيب الأسماء :26/1)

⑤ حافظ مزی رحمہ اللہ (654-742ھ) فرماتے ہیں:

وَكَانَ لَهُ مِنَ الْبَنَاتِ أَرْبَعٌ بِلَا خِلَافٍ .

”آپ ﷺ کی چار بیٹیاں تھیں۔اس میں کوئی اختلاف نہیں۔“

(تهذيب الكمال في أسماء الرجال :57/1، وفي نسخة :191/1)

جو لوگ نبی اکرم ﷺ کی بیٹیوں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں کسی کافر کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ مسلمانوں کے اجماع کے منکر ہیں۔جو شخص اجماعِ مسلمین کی مخالفت کرے، اس کے گمراہ ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہوسکتا، کیونکہ اجماعِ امت حق ہے۔

دلیل نمبر ② : فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

﴿اُدْعُوْهُمْ لِاٰبَآئِهِمْ هُوَ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ﴾(الأحزاب 33: 5)

”تم لوگوں کو ان کے باپوں کی نسبت سے پکارو۔اللہ کے ہاں یہی بات انصاف والی ہے۔“

معلوم ہوا کہ کسی انسان کو اس کے باپ کے علاوہ کسی غیر کی طرف منسوب کرنا ناانصافی ہے۔احادیث میں واضح طور پر سیدہ زینب، سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم کو رسولِ

اکرم ﷺ کی بیٹیاں کہا گیا ہے۔سارے مسلمان بھی ہر دور میں ان کو آپ ﷺ کی بیٹیاں قرار دیتے رہے ہیں۔اگر یہ آپ کی حقیقی بیٹیاں نہیں تھیں تو ان کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنا ناانصافی تھی اور یہ ناممکن ہے کہ احادیث اور اجماعِ امت ِمسلمہ ناانصافی پر مبنی ہو۔لہٰذا بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ سیدہ زینب،سیدہ رقیہ اور سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہن کسی کافر کی بیٹیاں تھیں اور آپ ﷺ نے ان کی پرورش کی،اسی بنا پر ان کی نسبت رسولِ کریم ﷺ کی طرف ہوگئی،اس آیتِ کریمہ کے صریحاً خلاف ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ تینوں صاحبات آپ ﷺ کی حقیقی بیٹیاں تھیں۔ان کے (معاذ اللہ) کسی کافر کی اولاد ہونے پر کوئی دلیل نہیں۔پھر اصولِ فقہ کا یہ مسلمہ قاعدہ بھی اس بات کی تائید کرتا ہے کہ جب تک حقیقت متعذر نہ ہو اور مجاز پر کوئی دلیل نہ ہو،مجازی معنیٰ کی طرف انتقال جائز نہیں ہوتا۔ان تینوں صاحبات کے نبی اکرم ﷺ کی حقیقی اولاد ہونے میں کوئی مانع نہیں،نہ ان کے غیر کی اولاد ہونے پر کوئی دلیل ہے۔لہٰذا یہ آپ ﷺ کی حقیقی بیٹیاں تھیں۔

دلیل نمبر ③ :

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ گرامی ہے:

﴿يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾(الأحزاب 33: 59)

’’اے نبی! اپنی بیویوں،بیٹیوں اور مؤمنوں کی عورتوں سے کہہ دیجیے کہ وہ اپنے اوپر اپنی چادریں لٹکالیا کریں۔یہ بات اس کے زیادہ قریب ہے کہ وہ پہچان لی جائیں اور انھیں تکلیف نہ پہنچائی جائے۔اور اللہ بہت بخشنے والا،نہایت رحم کرنے والا ہے۔‘‘

یہ آیتِ کریمہ واضح دلیل ہے کہ نبی اکرم ﷺ کی ایک سے زائد بیٹیاں تھیں،کیونکہ اس میں ’’بنات‘‘ کا لفظ مستعمل ہے جو کہ ’’بنت‘‘ کی جمع ہے۔جمع کے کم سے کم تین افراد ہوتے ہیں۔کسی خارجی دلیل کے ملنے پر جمع کے اقل افراد دو ہو سکتے ہیں۔ایک فرد کے جمع

ہونے کا دنیا میں کوئی بھی قائل نہیں۔ایک تو مفرد حقیقی ہے۔اگر نبی اکرم ﷺ کی حقیقی بیٹی صرف سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا تھیں تو ''بنات'' کہنے کا کیا معنیٰ ؟

حدیثی دلائل

آیئے اب پیارے رسول کی پیاری بیٹیوں کے بارے بالترتیب میں حدیثی دلائل ملاحظہ فرمائیں:

① **سیدہ زینب :** آپ رضی اللہ عنہا، نبی اکرم ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں۔آپ سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے پیدا ہوئیں۔ان کی شادی ابوالعاص بن ربیع سے ہوئی تھی۔آپ کے بارے میں :

(ا) سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ، خَرَجَتِ ابْنَتُهُ مِنْ مَّكَّةَ مَعَ بَنِي كِنَانَةَ، فَخَرَجُوا فِي أَثَرِهَا، فَأَدْرَكَهَا هَبَّارُ بْنُ الْأَسْوَدِ، فَلَمْ يَزَلْ يَطْعَنُ بَعِيرَهَا حَتّٰى صَرَعَهَا، فَأَلْقَتْ مَا فِي بَطْنِهَا، وَأُهْرِيْقَتْ دَمًا، فَانْطُلِقَ بِهَا، وَاشْتَجَرَ فِيهَا بَنُو هَاشِمٍ وَبَنُو أُمَيَّةَ، فَقَالَتْ بَنُو أُمَيَّةَ : نَحْنُ أَحَقُّ بِهَا، وَكَانَتْ تَحْتَ ابْنِ عَمِّهِمْ، أَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، فَكَانَتْ عِنْدَ هِنْدٍ بِنْتِ رَبِيعَةَ، وَكَانَتْ تَقُولُ لَهَا هِنْدٌ : هٰذَا فِي سَبَبِ أَبِيك، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ لِزَيْدِ بْنِ حَارِثَةَ : «أَلَا تَنْطَلِقُ، فَتَجِيءَ بِزَيْنَبَ؟»، قَالَ : بَلٰى يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! قَالَ : «فَخُذْ خَاتَمِي هٰذَا، فَأَعْطِهَا إِيَّاهُ»، قَالَ : فَانْطَلَقَ زَيْدٌ، فَلَمْ يَزَلْ يَلْطُفُ وَتَرَكَ بَعِيرَهُ حَتّٰى أَتٰى رَاعِيًا، فَقَالَ : لِمَنْ تَرْعٰى؟ فَقَالَ : لِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ، قَالَ : فَلِمَنْ هٰذِهِ الْغَنَمُ ؟ قَالَ : لِزَيْنَبَ بِنْتِ مُحَمَّدٍ ـ عَلَيْهِ السَّلَامُ ـ، فَسَارَ مَعَهُ شَيْئًا، ثُمَّ قَالَ لَهُ : هَلْ لَّكَ أَنْ أُعْطِيَكَ شَيْئًا

تُعْطِيَهَا إِيَّاهُ، وَلَا تَذْكُرَهُ لِأَحدٍ؟ قَالَ: نَعم، فَأَعْطَاهُ الْخَاتَمَ، فَانْطَلَقَ الرَّاعِي، فَأَدْخلَ غَنَمَهُ، وأَعْطَاهَا الْخَاتَمَ، فَعَرَفَتْهُ، فَقَالَتْ: مَنْ أَعْطَاكَ هٰذَا؟ قَالَ: رَجُلٌ، قَالَتْ: وَأَيْنَ تَرَكْتَهُ؟ قَالَ: مَكَانَ كَذَا وَكَذَا، فَسَكَنَتْ حَتّٰى إِذَا كَانَ اللَّيْلُ خَرَجَتْ إِلَيْهِ، فَقَالَ لَهَا: ارْكَبِي بَيْنَ يَدَيَّ! قَالَتْ: لَا، وَلٰكِنِ ارْكَبْ أَنْتَ، فَرَكِبَ وَرَكِبَتْ وَرَاءَهُ، حَتّٰى أَتَتِ النَّبِيَّ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ عَلَيْهِ السَّلَامُ يَقُولُ: «هِيَ أَفْضَلُ بَنَاتِي، أُصِيبَتْ فِيَّ».

''رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی تو آپ ﷺ کی صاحبزادی (سیدہ زینب رضی اللہ عنہا) بھی مکہ سے بنوکنانہ کے ساتھ روانہ ہوئیں۔کفار مکہ ان کے پیچھے آئے اور ہبار بن اسود نے ان کو پالیا۔وہ ان کے اونٹ کو نیزے مارتا رہا حتی کہ ان کو زمین پر گرا دیا۔ان کےبطن میں بچہ تھا،وہ گر گیا۔بہت سارا خون بھی ضائع ہوا۔ان کو واپس لے جایا گیا۔بنوہاشم اور بنوامیہ ان کے سلسلے میں جھگڑنے لگے۔بنوامیہ نے کہا کہ ہم ان کے زیادہ حق دار ہیں۔ دراصل سیدہ زینب رضی اللہ عنہا ان کے چچازاد ابوالعاص بن ربیعہ بن عبدشمس کے نکاح میں تھیں۔چنانچہ وہ ہند بنت ربیعہ کے پاس رہیں۔ہند انہیں کہا کرتی تھی کہ تیرے ساتھ یہ سب تیرے باپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ ادھر رسول اللہ ﷺ نے سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا: کیا تم جا کر زینب کو نہیں لے آتے؟انہوں نے عرض کی: کیوں نہیں،اللہ کے رسول! آپ ﷺ نے فرمایا: میری یہ انگوٹھی لو اور انہیں پہنچاؤ۔سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ روانہ ہوئے۔وہ چلتے چلتے ایک چرواہے کے پاس پہنچے۔اس نے پوچھا: کس کی بکریاں چرواتے ہو؟ اس نے جواب دیا: زینب بنت محمد علیہ السلام کی۔زید رضی اللہ عنہ ان کے ساتھ کچھ دیر چلے،پھر فرمایا: کیا تمہیں ایک چیز دی جائے تو رازداری سے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا تک پہنچا دو گے؟اس نے کہا: ہاں۔زید رضی اللہ عنہ نے وہ انگوٹھی اسے دے دی۔چرواہے نے بکریاں گھر میں داخل کیں اور انگوٹھی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو دے دی۔جب سیدہ نے انگوٹھی دیکھی تو فوراً پہچان لی اور چرواہے سے کہا: یہ انگوٹھی تجھے کس نے دی ہے؟ چرواہے نے کہا: ایک انجان آدمی

نے۔سیدہ نے کہا: تُو اسے کہاں چھوڑ کر آیا ہے؟ اس نے وہ جگہ بتا دی۔سیدہ رات ہونے تک ٹھہری رہیں، پھر اس جگہ پہنچ گئیں۔سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ سے کہا: آپ اونٹ پر آگے سوار ہو جائیے۔سیدہ نے فرمایا: نہیں،آگے آپ سوار ہوں۔سیدنا زید رضی اللہ عنہ آگے سوار ہوئے اور سیدہ پیچھے۔یوں سیدہ زینب رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئیں۔اس کے بعد رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: یہ میری سب سے فضیلت والی بیٹی ہیں،کیونکہ انہوں نے میرے لیے مصائب اٹھائے ہیں۔''(الآحاد والمثاني لابن أبي عاصم : 2975، المعجم الكبير للطبراني : 22/431-432، شرح مشكل الآثار للطحاوي : 142، والسياق لهٗ، مسند البزّار[كشف الأستار] : 2666، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 2/200-201، 4/43-44، دلائل النبوّة للبيهقي : 3/156-157، وسندهٗ حسنٌ)

امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے بخاری ومسلم کی شرط پر''صحیح''قرار دیا ہے۔

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: رِجَالُهٗ رِجَالُ الصَّحِيحِ .

''اس کے راوی صحیح بخاری والے ہیں۔''(مجمع الزوائد : 9/213)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو''جید''قرار دیا ہے۔(فتح الباري : 7/109)

اس کا راوی یحییٰ بن ایوب غافقی جمہور محدثین کرام کے نزدیک''موثق،حسن الحدیث''ہے۔اس کے بارے میں حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) لکھتے ہیں:

فِيهِ أَدْنٰى كَلَامٍ، وَقَدْ وَثَّقَهُ الْأَكْثَرُونَ .

''اس میں تھوڑا سا کلام ہے،البتہ اسے جمہور محدثین کرام نے ثقہ قرار دیا ہے۔''

(المجموع شرح المهذّب : 3/447، خلاصة الأحكام : 1/352، ح : 1069)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) فرماتے ہیں: لَهٗ غَرَائِبُ وَمَنَاكِيْرُ، يَتَجَنَّبُهَا أَرْبَابُ الصِّحَاحِ، وَيُنَقُّوْنَ حَدِيْثَهٗ، وَهُوَ حَسَنُ الْحَدِيْثِ .

''اس نے کچھ منکر روایات بیان کی ہیں جس کی وجہ سے وہ محدثین اس کی ان روایات سے اجتناب کرتے تھے جنہوں نے صحت کا التزام کیا ہے۔ایسے محدثین اس کی صرف صحیح

احادیث کا انتخاب کرتے تھے۔اس راوی کی حدیث حسن ہے۔''(سير أعلام النبلاء : 6/8)

(ب) سیدہ ام عطیہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں : لَمَّا مَاتَتْ زَيْنَبُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ لَنَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «اغْسِلْنَهَا وِتْرًا، ثَلَاثًا، أَوْ خَمْسًا، وَاجْعَلْنَ فِي الْخَامِسَةِ كَافُورًا» .

''جب رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کی وفات ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں فرمایا: انہیں طاق تعداد میں یعنی تین یا پانچ دفعہ غسل دو۔اور پانچویں (یا تیسری) مرتبہ کافور ملاؤ۔''(صحيح البخاري :167/1، ح : 1253، صحيح مسلم :304/1، ح : 939، واللفظ لهٗ)

(ج) سیدنا ابوقتادہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں : إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي، وَهُو حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ، بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ رَبِيعَةَ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ، فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا . ''بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نواسی امامہ کو اٹھائے ہوئے نماز پڑھ لیتے تھے جو کہ آپ کی بیٹی زینب اور ابوالعاص بن ربیعہ بن عبد شمس کی لختِ جگر تھیں۔''(صحيح البخاري :74/1، ح : 516، صحيح مسلم :205/1، ح : 543)

(د) نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیٹیوں کے ذکر میں اپنے داماد ابوالعاص کی تعریف فرمائی۔ جب سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ابوجہل کی بیٹی سے نکاح کا ارادہ کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«أَمَّا بَعْدُ ! أَنْكَحْتُ أَبَا الْعَاصِ بْنَ الرَّبِيعِ، فَحَدَّثَنِي وَصَدَقَنِي» .

''حمد وثنا کے بعد! میں نے ابوالعاص بن ربیع سے اپنی بیٹی کا نکاح کیا۔انہوں نے مجھ سے جو بات بھی کی،اس میں سچے اُترے۔''

(صحيح البخاري :528/1، ح : 3729، صحيح مسلم : 290/2، ح : 2449)

② سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا : آپ رضی اللہ عنہا، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دوسری بیٹی تھیں۔آپ سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کی پہلی زوجہ محترمہ تھیں۔آپ بھی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے

بطن پاک سے پیدا ہوئیں۔ان کے بارے میں :

(ا) سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں : إِنَّمَا تَغَيَّبَ عُثْمَانُ عَنْ بَدْرٍ، فَإِنَّهُ كَانَتْ تَحْتَهُ بِنْتُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَتْ مَرِيضَةً، فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «إِنَّ لَكَ أَجْرَ رَجُلٍ مِّمَّنْ شَهِدَ بَدْرًا، وَسَهْمَهُ» . ''سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ غزوۂ بدر میں موجود نہ تھے۔اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے نکاح میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی لختِ جگر تھیں اور وہ بیمار تھیں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ آپ کے لیے بدر میں حاضر ہونے والوں کی طرح اجر اور حصہ ہے۔''

(صحيح البخاري :442/1، ح : 3130)

(ب) سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے فرمایا : إِنِّي تَخَلَّفْتُ يَوْمَ بَدْرٍ، فَإِنِّي كُنْتُ أُمَرِّضُ رُقَيَّةَ بِنْتَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، حَتّٰى مَاتَتْ، وَقَدْ ضَرَبَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَهْمِي، وَمَنْ ضَرَبَ لَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِسَهْمِهٖ، فَقَدْ شَهِدَ .

''میں بدر والے دن پیچھے رہا تھا۔اس کا سبب یہ تھا کہ میں رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی رقیہ کی تیمارداری کر رہا تھا،حتی کہ وہ وفات پا گئیں۔اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے مالِ غنیمت میں حصہ بھی مقرر کیا تھا۔جس شخص کا حصہ اللہ کے رسول مقرر فرما دیں،وہ حاضر ہی شمار ہوگا۔''(مسند الإمام أحمد :68/1، ح : 490، وسندهٗ حسنٌ)

③ سیدہ أم کلثوم رضی اللہ عنہا :

آپ رضی اللہ عنہا سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے پیدا ہونے والی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری بیٹی تھیں۔ان کی شادی ان کی بہن سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے ہوئی۔یوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یکے بعد دیگرے اپنی دو صاحبزادیاں ان کے نکاح میں دیں۔اسی بنا پر آپ رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کا لقب ملا۔سیدہ ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے بارے میں :

(ا) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

شَهِدْنَا بِنْتًا لِّرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَالِسٌ عَلَى القَبْرِ، قَالَ : فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، قَالَ : فَقَالَ : «هَلْ مِنْكُمْ رَجُلٌ لَّمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟»، فَقَالَ أَبُو طَلْحَةَ : أَنَا، قَالَ : «فَانْزِلْ»، قَالَ : فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا . ''ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی کی تدفین میں حاضر تھے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قبر پر بیٹھے ہوئے تھے۔میں نے آپ کی دونوں آنکھوں سے زاروقطار آنسو بہتے دیکھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے کوئی شخص ہے جس نے رات کو اپنی بیوی سے مباشرت نہ کی ہو؟ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کی : ہاں، میں ہوں۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قبر میں اترو۔وہ قبر میں اترے۔''(صحیح البخاري : 171/1، ح : 1285)

یہ روایت ان الفاظ سے بھی مروی ہے : لَمْ يُقَارِفْ أَهْلَهُ اللَّيْلَةَ .(شرح مشکل الآثار للطحاوي : 2514، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 47/4، وسندهٗ حسنٌ)

اس حدیث میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی سیدہ ام کلثوم ہی مراد ہیں، کیونکہ سیدہ رقیہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے وقت تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم غزوۂ بدر میں تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی غیرموجودگی میں ان کی تدفین ہوگئی تھی۔مسند احمد کی ایک روایت(229/3، ح :13431، 270/3، ح :13398) میں [إِنَّ رُقَيَّةَ لَمَّا مَاتَتْ] کے الفاظ ہیں۔ان کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهِمَ حَمَّادٌ فِي تَسْمِيَتِهَا فَقَطْ . ''حماد کو صرف نام میں وہم ہوا ہے۔''

(فتح الباري في شرح صحيح البخاري : 158/3)

(ب) سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے : إِنَّهٗ رَاٰى عَلٰى أُمِّ كُلْثُومٍ، عَلَيْهَا السَّلَامُ، بِنْتِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بُرْدَ حَرِيرٍ سِيَرَاءَ .

''انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بیٹی ام کلثوم علیہا السلام کے اوپر دھاری دار ریشم کی چادر دیکھی۔''(صحیح البخاري : 5842، السنن الكبرٰى للنسائي : 9505)

سنن نسائی(5294)اور سنن ابن ماجہ(3588)میں سیدہ زینب کا نام بیان ہوا ہے،

یہ روایت شاذ ہے۔ یہ امام زہری رحمہ اللہ کی ''تدلیس'' کی وجہ سے بھی ''ضعیف'' ہے۔

فائدہ : عبداللہ بن عمر بن محمد بن ابان جعفی بیان کرتے ہیں :

قَالَ لِي خَالِي حُسَيْنُ (بْنُ عَلِيٍّ) الْجُعْفِيُّ (م : 204ھ) : يَا بُنَيَّ ! لِمَ يُسَمّٰى عُثْمَانُ ذُو النُّورَيْنِ؟ قُلْتُ : لَا أَدْرِي، قَالَ : لَمْ يَجْمَعْ بَيْنَ ابْنَتَيْ نَبِيٍّ مُنْذُ خَلَقَ اللّٰهُ آدَمَ إِلٰى أَنْ تَقُومَ السَّاعَةُ غَيْرَ عُثْمَانَ بْنِ عَفَّانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، فَلِذٰلِكَ سُمِّيَ ذُو النُّورَيْنِ .

''میرے ماموں حسین بن علی جعفی (م : 204ھ) نے مجھ سے فرمایا : بیٹے ! کیا تمہیں معلوم ہے کہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کو ذوالنورین کیوں کہا جاتا ہے؟ میں نے عرض کی : میں نہیں جانتا۔ فرمایا : سیدنا آدم علیہ السلام کی پیدائش سے لے کر قیامت تک کسی بھی نبی کی دو بیٹیاں سوائے سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے کسی شخص کے نکاح میں نہیں آئیں۔ اسی لیے آپ کو ذوالنورین کہا جاتا ہے۔'' (الشريعة للآجرّي : 1405، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : 239، السنن الكبرٰى للبيهقي : 73/7، واللفظ لهٗ، وسندهٗ حسنٌ)

④ **سیدہ فاطمۃ الزہراء :** آپ رضی اللہ عنہا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ہیں اور سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا ہی کے بطن پاک سے ہیں۔ آپ مولا علی رضی اللہ عنہ کی زوجہ محترمہ اور حسنین کریمین کی والدہ ماجدہ ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے بے شمار فضائل ومناقب کتبِ احادیث میں بیان ہوئے ہیں۔ چونکہ باقی بناتِ رسول کا انکار کرنے والے سیدہ فاطمہ کے بنتِ رسول ہونے کے اقراری ہیں، لٰہذا تفصیل کی ضرورت نہیں۔

بعض شیعہ اہل علم کا اقرار

بعض شیعہ علماء بھی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار حقیقی بیٹیوں کو تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ :

① بعض شیعہ نے امام جعفر باقر رحمہ اللہ سے نقل کیا ہے :

وُلِدَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَدِيجَةَ : الْقَاسِمُ، وَالطَّاهِرُ، وَأُمُّ كُلْثُومٍ، وَرُقَيَّةُ، وَفَاطِمَةُ، وَزَيْنَبُ .

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا سے رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد یہ تھی: قاسم، طاہر، ام کلثوم، رقیہ، فاطمہ اور زینب رضی اللہ عنہم۔'' (قرب الإسناد للحميري: 9/3، بحار الأنوار للمجلسي: 151/22)

اگرچہ اصولِ محدثین کے مطابق اس قول کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، لیکن اسے نقل کرنے والے شیعہ کے اصولوں کے مطابق یہ قول بالکل صحیح اور ثابت ہے۔

② ایک شیعہ امام جعفر صادق رحمہ اللہ سے نقل کرتے ہوئے لکھتا ہے:

وُلِدَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خَدِيجَةَ : الْقَاسِمُ، وَالطَّاهِرُ، وَهُوَ عَبْدُ اللّٰهِ، وَأُمُّ كُلْثُومٍ، وَرُقَيَّةُ، وَزَيْنَبُ، وَفَاطِمَةُ .

''رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن اطہر سے اولاد یہ تھی: قاسم، عبد اللہ طاہر، ام کلثوم، رقیہ، زینب اور فاطمہ رضی اللہ عنہم۔'' (الخصال لابن بابويه القمّي، ص: 404)

③ شیخ الشیعہ، محمد باقر مجلسی رافضی (م: 1111ھ) نے رمضان المبارک میں پڑھی جانے والی تسبیح یوں ذکر کی ہے: اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى أُمِّ كُلْثُومٍ ابْنَةِ نَبِيِّكَ، وَالْعَنْ مَنْ اٰذٰى نَبِيَّكَ فِيهَا، اللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى رُقَيَّةَ ابْنَةِ نَبِيِّكَ، وَالْعَنْ مَنْ اٰذٰى نَبِيَّكَ فِيهَا . ''اے اللہ! تو اپنے نبی کی بیٹی ام کلثوم پر رحمتیں نازل فرما اور اس شخص پر لعنت فرما جس نے تیرے نبی کو ام کلثوم رضی اللہ عنہا کے حوالے سے تکلیف دی۔ اے اللہ! تو اپنے نبی کی بیٹی رقیہ پر رحمتیں نازل فرما اور اس شخص پر لعنت فرما جس نے تیرے نبی کو رقیہ کے حوالے سے تکلیف پہنچائی۔'' (بحار الأنوار: 110/95)

④ ابن ابی الحدید رافضی شیعہ (م: 656ھ) نے لکھا ہے:

ثُمَّ وَلَدَتْ خَدِيجَةُ مِنْ رَّسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : الْقَاسِمَ، وَالطَّاهِرَ، وَزَيْنَبَ، وَرُقَيَّةَ، وَأُمَّ كُلْثُومٍ، وَفَاطِمَةَ .

''سیدہ خدیجہ رضی اللہ عنہا کے بطن سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو بیٹے، قاسم وطاہر رضی اللہ عنہما اور چار بیٹیاں، زینب، رقیہ، ام کلثوم اور فاطمہ رضی اللہ عنہن تھیں۔'' (شرح نهج البلاغة: 132/5)

❀❀❀❀❀❀❀

زیارتِ قبر نبوی کی فضیلت و اہمیت!

غلام مصطفےٰ ظہیر امن پوری

نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کی فضیلت و اہمیت پر مبنی بہت سی روایات زبان زدِ عام ہیں۔ان روایات کا اصولِ محدثین کی روشنی میں تحقیقی جائزہ پیشِ خدمت ہے:

روایت نمبر ①: سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ زَارَ قَبْرِي، وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي» .

''جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا، اس کے لیے میری سفارش واجب ہو جائے گی۔''

(سنن الدارقطني : 278/2، ح : 2669، شعب الإيمان للبيهقي : 490/3، ح : 5169، مسند البزّار (كشف الأستار) : 57/2، ح : 1197)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں:

① امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَإِنَّ فِي الْقَلْبِ مِنْهُ، أَنَا أَبْرَأُ مِنْ عُهْدَتِهِ . ''میرے دل میں اس کے بارے میں خلش ہے۔میں اس کی ذمہ داری سے بری ہوں۔'' (لسان الميزان لابن حجر : 135/6)

نیز اس روایت کو امام صاحب نے ''منکر'' بھی قرار دیا ہے۔(أيضًا)

۞ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ،امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی ساری بحث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وَمَعَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ عِبَارَةِ ابْنِ خُزَيْمَةَ، وَكَشْفِهِ عَنْ عِلَّةِ هٰذَا الْخَبَرِ، لَا يَحْسُنُ أَنْ يُّقَالَ : أَخْرَجَهُ ابْنُ خُزَيْمَةَ فِي صَحِيحِهِ إِلَّا مَعَ الْبَيَانِ .

''امام ابن خزیمہ رحمہ اللہ کی عبارت بیان ہو چکی ہے، نیز انہوں نے اس روایت کی علت بھی بیان کر دی ہے، اس سب کچھ کے ہوتے ہوئے یہ کہنا درست نہیں کہ اس روایت کو امام ابن خزیمہ نے اپنی صحیح میں بیان کیا ہے۔ہاں! وضاحت کر کے ایسا کہا جا سکتا ہے۔''(أيضًا)

❁ حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ فِي صَحِيحِ ابْنِ خُزَيْمَةَ، وَأَشَارَ إِلٰى تَضْعِيفِهٖ . ''یہ روایت صحیح ابن خزیمہ میں ہے، لیکن امام صاحب نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔''

(المقاصد الحسنة في بيان كثير من الأحاديث المشتهرة على الألسنة : 1125)

② امام عُقَیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِيهَا لِينٌ .

''اس میں کمزوری ہے۔'' (الضعفاء الكبير : 170/4)

③ حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَهُوَ مُنْكَرٌ .

''یہ روایت منکر ہے۔'' (شعب الإيمان : 490/3)

④ حافظ نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔

(المجموع شرح المهذّب : 272/8)

⑤ حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَهُوَ حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ .

''یہ حدیث منکر ہے۔'' (تاريخ الإسلام : 212/11، وفي نسخة : 115/11)

⑥ حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: وَهُوَ مَعَ هٰذَا حَدِيثٌ غَيْرُ صَحِيحٍ وَّلَا ثَابِتٍ، بَلْ هُوَ حَدِيثٌ مُّنْكَرٌ عِنْدَ أَئِمَّةِ هٰذَا الشَّأْنِ، ضَعِيفُ الْإِسْنَادِ عِنْدَهُمْ، لَا يَقُومُ بِمِثْلِهٖ حُجَّةٌ، وَلَا يَعْتَمِدُ عَلٰى مِثْلِهٖ عِنْدَ الِاحْتِجَاجِ إِلَّا الضُّعَفَاءُ فِي هٰذَا الْعِلْمِ .

''یہ حدیث نہ صحیح ہے نہ ثابت۔ یہ تو فن حدیث کے ائمہ کے ہاں منکر اور ضعیف الاسناد روایت ہے۔ایسی روایت دلیل بننے کے لائق نہیں ہوتی۔علم حدیث میں ناپختہ کار لوگ ہی ایسی روایات کو اپنی دلیل بناتے ہیں۔'' (الصارم المنكي في الردّ على السبكي، ص : 30)

⑦ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَلَا يَصِحُّ فِي هٰذَا الْبَابِ شَيْءٌ . ''اس بارے میں کچھ بھی ثابت نہیں۔'' (التلخيص الحبير : 267/2)

نیز فرماتے ہیں: وَفِيهِ ضُعْفٌ . ''اس روایت میں کمزوری ہے۔''
(اتّحاف المهرة : 9/123-124)

❀ اس روایت کے راوی موسیٰ بن ہلال عبدی کی توثیق ثابت نہیں۔اس کے ساتھ ساتھ محدثین کرام نے اس کو ''مجہول'' اور اس کی بیان کردہ روایات کو ''منکر'' قرار دیا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

①،② امام ابوحاتم رازی (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 8/166) اور امام دارقطنی (لسان الميزان لابن حجر : 6/136) رحمہما اللہ نے اسے ''مجہول'' قرار دیا ہے۔

③ امام عُقَیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: لَا يَصِحُّ حَدِيثُهُ، وَلَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ . ''اس کی حدیث ضعیف اور منکر ہوتی ہے۔'' (الضعفاء الكبير : 4/170)

④ اس کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ کے قول وَأَرْجُوا أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ (الكامل في ضعفاء الرجال : 6/351) ذکر کرتے ہوئے حافظ ابن قطان فاسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:
فَالْحَقُّ فِيهِ أَنَّهُ لَمْ تَثْبُتْ عَدَالَتُهُ . ''حق بات یہ ہے کہ اس راوی کی عدالت ثابت نہیں ہوئی۔'' (بيان الوهم والإيهام في كتاب الأحكام : 4/322)

حافظ ابن قطان رحمہ اللہ کی یہ بات بالکل درست ہے۔امام ابن عدی رحمہ اللہ کے اس قول سے موسیٰ بن ہلال عبدی کی توثیق ثابت نہیں ہوتی، کیونکہ جعفر بن میمون نامی راوی کے بارے میں امام صاحب فرماتے ہیں: وَأَرْجُوا أَنَّهُ لَا بَأْسَ بِهِ، وَيُكْتَبُ حَدِيثُهُ فِي الضُّعَفَاءِ . ''مجھے امید ہے کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔اس کی حدیث ضعیف راویوں میں لکھی جائے گی۔'' (الكامل : 2/138، وفي نسخة : 562)

یعنی امام ابن عدی رحمہ اللہ ''ضعیف'' راویوں کے بارے میں بھی یہ الفاظ بول دیتے ہیں۔ان کی مراد شاید یہ ہوتی ہے کہ یہ راوی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔

ہماری بات کی تائید علامہ عبد الرحمٰن بن یحییٰ یمانی معلّمی رحمہ اللہ (1313-1386ھ) کے ایک قول سے بھی ہوتی ہے۔یوسف بن محمد بن منکدر کے بارے میں بھی امام ابن عدی رحمہ اللہ

نے بالکل یہی الفاظ کہے۔اس پر تبصرہ کرتے ہوئے علامہ یمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذِهِ الْكَلِمَةُ رَأَيْتُ ابْنَ عَدِيٍّ يُطْلِقُهَا فِي مَوَاضِعَ تَقْتَضِي أَنْ يَكُونَ مَقْصُودُهُ: أَرْجُوا أَنَّهُ لَا يَتَعَمَّدُ الْكَذِبَ، وَهٰذَا مِنْهَا، لِأَنَّهُ قَالَهَا بَعْدَ أَنْ سَاقَ أَحَادِيثَ يُوسُفَ، وَعَامَّتُهَا لَمْ يُتَابَعْ عَلَيْهَا . ''میں نے کئی ایسے مقامات پر امام ابن عدی کی طرف سے اس کلمے کا اطلاق دیکھا ہے، جہاں ان کے قول کا مقصود یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ راوی جان بوجھ کر جھوٹ نہیں بولتا تھا۔ یہاں بھی یہی معاملہ ہے۔اس کی دلیل یہ ہے کہ یوسف (بن محمد بن منکدر) کی بیان کردہ روایات ذکر کرنے کے بعد امام ابن عدی نے ایسا کہا ہے اور ان میں سے اکثر روایات منکر ہیں۔''

(التعليق على الفوائد المجموعة، ص :51)

ثابت ہوا کہ موسیٰ بن ہلال کو واضح طور پر کسی متقدم امام نے ''ثقہ'' قرار نہیں دیا۔اس کی حدیث ''ضعیف'' اور ''منکر'' ہوتی ہے، جیسا کہ ائمہ کی تصریحات بیان ہو چکی ہیں۔ لہٰذا حافظ ذہبی رحمہ اللہ (ميزان الاعتدال : 225/4) کا اسے ''صالح الحدیث'' کہنا ان کا علمی تسامح ہے، یہ بات درست نہیں۔ہم نقل کر چکے ہیں کہ خود حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو ''منکر'' بھی قرار دیا ہے۔اس لیے حافظ ذہبی رحمہ اللہ کے اس تسامح کو اس حدیث کی صحت کی دلیل نہیں بنایا جا سکتا۔متقدمین ائمہ حدیث میں سے کسی نے اس حدیث کو ''صحیح'' قرار نہیں دیا۔ اعتبار محدثین ہی کی بات کا ہے۔

روایت نمبر ② : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ جَاءَ نِي زَائِرًا لَّا يَعْلَمُهُ حَاجَةً إِلَّا زِيَارَتِي، كَانَ حَقًّا عَلَيَّ أَنْ أَكُونَ لَهُ شَفِيعًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

''جو شخص صرف میری زیارت کی خاطر میرے پاس آئے گا، مجھ پر روزِ قیامت اس کی سفارش کرنا واجب ہو جائے گا۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 291/12، ح : 13149، المعجم الأوسط للطبراني : 4543،

الخلعيات للخلعي : 52، المعجم لابن المقرئ : 158، تاريخ أصبهان لأبي نعيم الأصبهاني : 190/2، الدرّة الثمينة في أخبار المدينة لابن النجّار : 155)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کا راوی **مسلمہ بن سالم جہنی** (مسلم بن سالم جہنی) **''مجہول''** اور **''ضعیف''** ہے۔

حافظ ہیثمی (مجمع الزوائد : 2/4) اور **حافظ ابن حجر** (تقریب التهذیب : 6628) نے اسے **''ضعیف''** قرار دیا ہے۔ **حافظ ابن عبد الہادی** (الصارم المنکي، ص : 36) نے اسے موسیٰ بن ہلال عبدی کی طرح کا **''مجہول الحال''** کہا ہے۔ اس کی کوئی توثیق ثابت نہیں۔

یہی وجہ ہے کہ **علامہ نووی** رحمہ اللہ نے اس سند کو **''ضعیف''** قرار دیا ہے۔

(المجموع شرح المهذّب : 272/8)

لہٰذا **حافظ عراقی** رحمہ اللہ (تخریج أحادیث الإحیاء : 306/1) کا اس کے بارے میں [وَصَحَّحَهُ ابْنُ السَّكَنِ] کہنا اس کی صحت کے لیے مفید نہیں۔

حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : إِنَّهُ حَدِيثٌ ضَعِيفُ الْإِسْنَادِ، لَا يَصْلُحُ الِاحْتِجَاجُ بِهِ، وَلَا يَجُوزُ الِاعْتِمَادُ عَلٰى مِثْلِهِ .

''اس حدیث کی سند ضعیف ہے۔ اسے دلیل بنانا اور اس جیسی روایت پر اعتماد کرنا جائز نہیں۔'' (الصارم المنکي في الردّ على السبکي، ص : 36)

پھر اگر اس روایت کو صحیح بھی مان لیا جائے تو اس سے مراد نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ ﷺ کی زیارت ہے، نہ کہ وفات کے بعد قبر مبارک کی زیارت۔

روایت نمبر ③ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: «مَنْ زَارَنِي فِي مَمَاتِي، كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي، وَمَنْ زَارَنِي حَتّٰى يَنْتَهِيَ إِلٰى قَبْرِي، كُنْتُ لَهٗ شَهِيدًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ»، أَوْ قَالَ : «شَفِيعًا» . ''جو میری موت کے بعد میری زیارت کرے گا، اس نے گویا زندگی

میں میری زیارت کی اور جو شخص میری زیارت کو آئے حتی کہ میری قبر تک پہنچ جائے، اس کے لیے میں روزِ قیامت گواہی دوں گا۔'' یا فرمایا: ''سفارش کروں گا۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 457/3)

تبصرہ : اس کی سند سخت ''ضعیف'' اور ''منکر'' ہے۔

حافظ ذہبی رحمہ اللہ (663-748ھ) فرماتے ہیں: هٰذَا مَوْضُوعٌ .

''یہ خود ساختہ روایت ہے۔'' (ميزان الاعتدال : 349/3، ت : 6709)

امام عقیلی رحمہ اللہ نے اسے ''غیر محفوظ'' قرار دیا ہے۔ (الضعفاء الكبير : 457/3)

اس کا راوی فضالہ بن سعید بن زمیل ماربی ''ضعیف'' ہے۔ کسی نے اسے ''ثقہ'' نہیں کہا۔ البتہ اس کے بارے میں امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَحَدِيثُهُ غَيْرُ مَحْفُوظٍ، وَلَا يُعْرَفُ إِلَّا بِهِ .

''اس کی حدیث شاذ ہے اور اس سے یہی ایک روایت مشہور ہے۔''

(الضعفاء الكبير : 457/3)

حافظ ابونعیم فرماتے ہیں: رَوَى الْمَنَاكِيرَ، لَا شَيْءَ .

''اس نے منکر روایات بیان کی ہیں۔ یہ ناقابل التفات ہے۔''

(لسان الميزان لابن حجر : 436/4)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے [وَاهٍ]، یعنی ''ضعیف'' کہا ہے۔ (المغني في الضعفاء : 510/2)

حافظ ابن حجر (التلخيص الحبير : 267/2) اور حافظ ابن ملقن (البدر المنير : 255/3) نے بھی اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

فائدہ : محمد بن یحییٰ بن قیس ماربی راوی کو امام دارقطنی (سؤالات البرقاني : 464) اور امام ابن حبان (الثقات : 45/9) رحمہما اللہ نے ''ثقہ'' قرار دیا ہے، لیکن امام ابن عدی رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، أَحَادِيثُهُ مُظْلِمَةٌ مُّنْكَرَةٌ .

''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔اس کی بیان کردہ روایات سخت ضعیف اور منکر ہیں۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 2239/6، وفي نسخة : 234/6)

یعنی یہ باوجود ثقہ ہونے کے ''منکر'' روایات بیان کرتا تھا۔یہ روایت بھی اس کی مناکیر میں سے ہے۔

روایت نمبر ④ : سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ زَارَنِي بِالْمَدِينَةِ مُحْتَسِبًا، كُنْتُ لَهٗ شَفِيعًا وَّشَهِيدًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ» . ''جوشخص مدینہ منورہ آ کر ثواب کی نیت سے میری زیارت کرے گا، میں قیامت کے دن اس کی سفارش کروں گا اور اس کے حق میں گواہی بھی دوں گا۔''(تاريخ جرجان لحمزة بن يوسف السهمي، ص : 434، كتاب القبور لابن أبي الدنيا كما في التلخيص الحبير لابن حجر : 265/2، شعب الإيمان للبيهقي : 488/3)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی ابو مثنی کعبی (سلیمان بن یزید) ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مُنْكَرُ الْحَدِيثِ، لَيْسَ بِقَوِيٍّ .

''یہ منکر الحدیث اور ضعیف راوی ہے۔''(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 149/4)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(العلل الواردة في الأحاديث النبويّة : 3823)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : يُخَالِفُ الثِّقَاتَ فِي الرِّوَايَاتِ، لَا يَجُوزُ الِاحْتِجَاجُ بِهٖ، وَلَا الرِّوَايَةُ عَنْهُ، إِلَّا لِلِاعْتِبَارِ .

''یہ روایات میں ثقہ راویوں کی مخالفت کرتا ہے۔نہ اس کی روایات سے دلیل لینا جائز ہے، نہ اس کی روایات کو بیان کرنا۔ہاں، صرف متابعات وشواہد میں اس کی روایات کو بیان کیا جا سکتا ہے۔''(كتاب المجروحين : 151/3)

اس کے ساتھ ساتھ انہوں نے اسے اپنی کتاب ''الثقات (395/6)'' میں بھی ذکر کر

دیا ہے۔اصولی طور پر ان کا جمہور کے موافق جرح والا قول لے لیا جائے گا۔

رہا امام ترمذی رحمہ اللہ (الجامع : 1493) کا اس کی ایک حدیث کو ''حسن'' اور امام حاکم رحمہ اللہ (المستدرك على الصحيحين : 222/4) کا ''صحیح الاسناد'' قرار دینا،تو وہ اس کی ثقاہت پر دلیل نہیں بن سکتا، کیونکہ امام ترمذی رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو ''حسن'' کہنا ان کی ایک خاص اصطلاح ہے،جس کا اطلاق انہوں نے بہت سے مقامات پر ''ضعیف'' سند والی روایات پر بھی کیا ہے اور امام حاکم رحمہ اللہ کا مذکورہ حکم ان کے تساہل پر مبنی ہے۔

غرضیکہ ابومثنی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے،جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(تقريب التهذيب : 3840)

② یہ ابومثنی راوی تبع تابعی ہے۔سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے اس کی ملاقات ہی ثابت نہیں۔یوں اس کی سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے روایت ''منقطع'' بھی ہے۔

فائدہ : اس روایت کی ایک سند مسند اسحاق بن راہویہ میں بھی ہے،لیکن وہ ایک ''شیخ'' مبہم کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

روایت نمبر ⑤ : قَالَ يَحْيَى بْنُ الْحَسَنِ بْنِ جَعْفَرٍ فِي أَخْبَارِ الْمَدِينَةِ : ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ يَعْقُوبَ : ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ وَهْبٍ عَنْ رَجُلٍ، عَنْ بَكْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ : «مَنْ أَتَى الْمَدِينَةَ زَائِرًا لِّي، وَجَبَتْ لَهٗ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ مَّاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ، بُعِثَ آمِنًا».

''عبداللہ بن وہب ایک آدمی کے واسطے سے بیان کرتے ہیں کہ بکر بن عبداللہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نقل کیا : جو شخص میری زیارت کے لیے مدینہ آئے گا، اس کے لیے روز قیامت میری شفاعت واجب ہو جائے گی اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہوگا،وہ امن کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔''(شفاء السقام للسبكي، ص : 40)

تبصرہ : یہ باطل روایت ہے، کیونکہ :

① اس میں ''رجل'' مبہم ہے۔اس کی دیانت و امانت اور حافظہ تو درکنار، اس کا نام بھی معلوم نہیں۔

② بکر بن عبد اللہ کون ہے؟ اس کا تعارف، تعیین اور توثیق مطلوب ہے۔یہ کوئی تابعی ہے یا تبع تابعی، نبی اکرم ﷺ سے ڈائریکٹ اس کی روایت ''مرسل'' اور ''منقطع'' ہے۔

③ اس میں عبد اللہ بن وہب مصری کی ''تدلیس'' بھی موجود ہے۔انہوں نے نہ اپنے استاذ کا نام لیا ہے نہ اس سے سماع کی صراحت کی ہے۔

محسوس یوں ہوتا ہے کہ یہ اسی نامعلوم شخص کی کارروائی ہے۔

علامہ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) اس روایت کے بارے میں فرماتے ہیں :

وَهُوَ حَدِيثٌ بَاطِلٌ، لَا أَصْلَ لَهُ، وَخَبَرٌ مُعْضَلٌ، لَا يُعْتَمَدُ عَلٰى مِثْلِهِ، وَهُوَ مِنْ أَضْعَفِ الْمَرَاسِيلِ وَأَوْهَى الْمُنْقَطِعَاتِ .

''یہ باطل، بے اصل اور سخت منقطع روایت ہے۔ایسی روایات پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔یہ عام مرسل اور منقطع روایات سے بھی گئی گزری روایت ہے۔''(الصارم المنكي، ص : 243)

پھر اس روایت میں نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہونے کا کوئی ذکر نہیں۔اس کا تعلق تو آپ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کے ساتھ تھا۔یا اس سے مراد خواب میں آپ ﷺ کی زیارت ہے۔

روایت نمبر ٦ : سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا : «مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي، وَمَنْ مَّاتَ بِأَحَدِ الْحَرَمَيْنِ، بُعِثَ آمِنًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ».

''جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، اس نے گویا میری زندگی میں

میری زیارت کی اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک میں فوت ہوگا، قیامت کے روز امن کی حالت میں اٹھایا جائے گا۔'' (سنن الدارقطني : 277/2، شعب الإيمان للبيهقي : 488/3)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔

حافظ عبد الرؤف مناوی رحمہ اللہ نے اسے ''معلول'' قرار دیا ہے۔

(الفتح السماوي في تخريج أحاديث القاضي البيضاوي : 381/1)

اس روایت میں دو علتیں ہیں :

① ہارون بن ابوقزعہ راوی ''منکر الحدیث'' ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ . ''یہ منکر الحدیث راوی ہے۔''

(الضعفاء الكبير للعقيلي : 362/4، وسندهٗ صحيحٌ)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَهَارُونُ أَبُو قَزَعَةَ لَمْ يُنْسَبْ، وَإِنَّمَا رَوَى الشَّيءَ الْيَسِيرَ الَّذِي أَشَارَ إِلَيْهِ الْبُخَارِيُّ .

''ہارون ابوقزعہ غیر منسوب راوی ہے۔ اس نے بہت تھوڑی روایات بیان کی ہیں، جن (کے منکر ہونے) کی طرف امام بخاری رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 128/7)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَقَدْ ضَعَّفَهُ يَعْقُوبُ بْنُ شَيْبَةَ، وَذَكَرَهُ الْعُقَيْلِيُّ وَالسَّاجِيُّ وَابْنُ الْجَارُودِ فِي الضُّعَفَاءِ .

''اسے امام یعقوب بن شیبہ نے ضعیف قرار دیا ہے اور امام عقیلی، امام ساجی اور امام ابن جارود نے ضعیف راویوں میں شمار کیا ہے۔'' (لسان الميزان : 181/6)

امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ''الثقات (580/7)'' میں ذکر کیا ہے جو کہ ان کا تساہل ہے۔ بات وہی ہے جو جمہور محدثین نے فرمائی ہے۔

② رجل من آلِ حاطب ''مجہول'' و ''مبہم'' ہے۔ اسی لیے تو حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَفِي إِسْنَادِهِ الرَّجُلُ الْمَجْهُولُ .

''اس کی سند میں مجہول راوی ہے۔''(التلخيص الحبير : 266/2)

لہٰذا اس روایت کے باطل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

روایت نمبر ⑦ : سیدنا عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ زَارَ قَبْرِي ـ أَوْ قَالَ : مَنْ زَارَنِي ـ كُنْتُ لَهُ شَفِيعًا أَو شَهِيدًا، وَمَنْ مَّاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ، بَعَثَ اللّٰهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

''جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا، میں اس کے لیے شفارشی اور گواہ بنوں گا اور جو حرمین میں سے کسی حرم میں فوت ہوگا، اسے روز قیامت اللہ تعالیٰ امن والوں میں اٹھائے گا۔''(مسند الطيالسي (منحة المعبود : 228/1)، السنن الكبرٰى للبيهقي : 245/5، شعب الإيمان للبيهقي : 488/3)

تبصرہ : اس کی سند باطل ہے، کیونکہ:

① سوار بن میمون راوی کا کتبِ رجال میں کوئی ذکر نہیں مل سکا۔

② رجل من آلِ عمر ''مجہول'' ہے۔

اسی لیے اس روایت کی سند کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهٰذَا إِسْنَادٌ مَّجْهُولٌ . ''اس کی سند مجہول راویوں پر مشتمل ہے۔''

(السنن الكبرٰى : 245/5)

حافظ منذری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فِي إِسْنَادِهِ نَظَرٌ . ''اس کی سند میں نکارت ہے۔''(البدر المنير لابن الملقّن : 298/6)

فائدہ : شعب الایمان بیہقی (489/3) میں یہ روایت یوں ہے:

ـــــ حَدَّثَنَا شُعْبَةُ عَنْ سَوَّارِ بْنِ مَيْمُونٍ : حَدَّثَنَا هَارُونُ بْنُ قَزَعَةَ، عَنْ رَجُلٍ مِّنْ آلِ الْخَطَّابِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ : «مَنْ

زَارَنِي مُتَعَمِّدًا، كَانَ فِي جِوَارِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ سَكَنَ الْمَدِينَةَ وَصَبَرَ عَلٰى بَلَائِهَا، كُنْتُ لَهٗ شَهِيدًا وَّشَفِيعًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ مَّاتَ فِي أَحَدِ الْحَرَمَيْنِ بَعَثَهُ اللّٰهُ مِنَ الْآمِنِينَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

''جو شخص قصداً میری زیارت کرے گا، وہ روز قیامت میرے پڑوس میں ہو گا۔ جو شخص مدینہ منورہ میں رہائش اختیار کرے گا اور وہاں کی تکالیف پر صبر کرے گا، میں قیامت کے دن اس کے لیے گواہی دوں گا اور شفارش کروں گا اور جو شخص حرمین میں سے کسی ایک حرم میں فوت ہو گا، اسے اللہ تعالیٰ قیامت کے روز امن والوں میں سے اٹھائیں گے۔''

اس کی سند بھی باطل ہے، کیونکہ:

① اس میں وہی سوار بن میمون ''مجہول'' موجود ہے، جس کا ذکر ابھی ہوا ہے۔

② اس میں ہارون بن قزعہ بھی ہے، جس کے بارے میں بتایا جا چکا ہے کہ وہ جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

③ رجل من آلِ الخطاب ''مجہول'' اور ''مبہم'' ہے۔

اس بارے میں امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَالرِّوَايَةُ فِي هٰذَا لَيِّنَةٌ .

''اس بارے میں روایت کمزور ہے۔'' (الضعفاء الكبير : 362/4)

روایت نمبر ⑧ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ حَجَّ، فَزَارَ قَبْرِي بَعْد مَوْتِي، كَانَ كَمَنْ زَارَنِي فِي حَيَاتِي» . ''جو شخص میری وفات کے بعد حج کرے، پھر میری قبر کی زیارت کرے، گویا اس نے میری زندگی میں میری زیارت کی۔''

(المعجم الكبير للطبراني : 406/12، سنن الدارقطني : 278/2، الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 790/2، السنن الكبرٰى للبيهقي : 246/5، أخبار مكّة للفاكهي : 437/1، مسند أبي يعلٰى كما في المطالب العالية لابن حجر : 372/1)

تبصرہ: یہ سخت ترین ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ:

① حفص بن سلیمان قاری راوی ''متروک الحدیث'' ہے۔

(تقریب التھذیب لابن حجر: 1404)

حافظ ہیثمی فرماتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد: 163/10)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔''

(القول البديع في الصلاة على الحبيب الشفيع، ص: 120)

② لیث بن ابوسلیم راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ نووی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: فَضَعَّفَهُ الْجَمَاهِيرُ.

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (شرح صحيح مسلم: 52/1)

حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (تخريج أحاديث الإحياء: 1817)

علامہ ہیثمی کہتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ.

''اسے جمہور اہل علم نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (مجمع الزوائد: 90/1، 91، 178/2)

بوصیری لکھتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ. ''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔'' (زوائد ابن ماجه: 542)

حافظ ابن ملقن فرماتے ہیں: ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ.

''یہ راوی جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔''

(البدر المنير: 104/2، 227/7، تحفة المحتاج: 48/2)

علامہ ابوالحسن سندھی حنفی لکھتے ہیں: وَفِي الزَّوَائِدِ: لَيْثُ ابْنُ أَبِي

سُلَيْمٍ، ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ. ''زوائد میں ہے کہ لیث بن ابوسلیم راوی کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(حاشية السندي على ابن ماجه : 1891)

فائدہ : (ا) معجم کبیر طبرانی (406/12) اور معجم اوسط طبرانی (201/1) میں حفص بن سلیمان کی متابعت عائشہ بنت سعد نے کر رکھی ہے۔

لیکن اس کے بارے میں حافظ ہیثمی فرماتے ہیں : وَفِيهِ عَائِشَةُ بِنْتُ سَعْدٍ، وَلَمْ أَجِدْ مَنْ تَرَجَّمَهَا. ''اس سند میں عائشہ بنت سعد ہے۔ مجھے کتب رِجال میں کہیں اس کے حالات نہیں ملے۔''(مجمع الزوائد : 2/4)

اسی طرح اس سند میں علی بن حسن بن ہارون انصاری اور لیث بن بنت لیث بن ابو سلیم کے حالاتِ زندگی بھی نہیں مل سکے۔اس میں چوتھی علت یہ ہے کہ امام طبرانی رحمہ اللہ کے استاذ احمد بن رشدین ''ضعیف'' ہیں۔ بنابریں یہ متابعت بے کار اور بے فائدہ ہے۔

(ب) شفاء السقام سبکی (ص : 27) میں حفص بن سلیمان قاری کی متابعت جعفر بن سلیمان ضبعی نے کی ہے لیکن وہ بھی بے سود اور غیر مفید ہے، کیونکہ اس کی سند میں ابوبکر محمد بن سری بن عثمان تمار موجود ہے جس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

يَرْوِي الْمَنَاكِيرَ وَالْبَلَايَا، لَيْسَ بِشَيْءٍ.

''یہ منکر اور جھوٹی روایات بیان کرتا ہے۔ یوں یہ نا قابل التفات راوی ہے۔''

(ميزان الاعتدال في نقد الرجال : 559/3)

اس میں دوسری علت یہ ہے کہ نصر بن شعیب راوی ''ضعیف'' ہے۔

تنبیہ : سبکی کی شفاء السقام (ص : 27) میں ابوالیمن ابن عساکر کے حوالے سے لکھا ہے کہ مذکورہ سند میں جعفر بن سلیمان نہیں بلکہ حفص بن سلیمان راوی ابوعمر اسدی غافری قاری ہے۔ اسے جعفر قرار دینا وہم اور تصحیف ہے۔

(اتّحاف الزائر وإطراف المقيم للسائر، ص : 29)

یہ راوی جو بھی ہو، سند بہر حال ''ضعیف'' ہے۔

روایت نمبر ⑨ : أَخْرَجَهُ أَبُو الْفَتْحِ الْأَزْدِيُّ فِي فَوَائِدِهِ، قَالَ : حَدَّثَنَا النُّعْمَانُ بْنُ هَارُونَ بْنِ أَبِي الدِّلْهَاثِ : ثَنَا أَبُو سَهْلٍ بَدْرُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْمِصِّيصِيُّ : ثَنَا الْحَسَنُ بْنُ عُثْمَانَ الزِّيَادِيُّ : ثَنَا عَمَّارُ بْنُ مُحَمَّدٍ : حَدَّثَنِي خَالِي سُفْيَانُ عَنْ مَّنْصُورٍ، عَنْ إِبْرَاهِيمَ، عَنْ عَلْقَمَةَ، عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُودٍ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَنْ حَجَّ حَجَّةَ الْإِسْلَامِ، وَزَارَ قَبْرِي، وَغَزَا غَزْوَةً، وَصَلّٰى فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ، لَمْ يَسْأَلْهُ اللّٰهُ عَمَّا افْتَرَضَ عَلَيْهِ» . ''سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جو شخص اسلام کی حالت میں حج کرے، میری قبر کی زیارت کرے، اللہ کی راہ میں جہاد کرے اور بیت المقدس میں نماز پڑھے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرائض کے بارے میں سوال نہیں کرے گا۔''

(شفاء السقام للسبكي، ص : 34، لسان الميزان لابن حجر : 4/2)

شفاء السقام میں راویٔ حدیث سیدنا عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی بجائے سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما ہیں۔ یہ تصحیف ہے، درست بات وہی ہے جو ہم نے ذکر کی ہے۔

دیکھیں (لسان الميزان لابن حجر : 4/2، القول البديع للسخاوي : 135، وغيره)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ :

① صاحبِ کتاب ابوالفتح ازدی خود ''ضعیف'' اور ''متکلم فیہ'' راوی ہے۔ اس کے بارے میں حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (700-774ھ) لکھتے ہیں :

وَضَعَّفَهُ كَثِيرٌ مِّنَ الْحُفَّاظِ مِنْ أَهْلِ زَمَانِهِ، وَاتَّهَمَهُ بَعْضُهُمْ بِوَضْعِ حَدِيثٍ رَوَاهُ .... ''اسے اس کے بہت سے ہم عصر حفاظ نے ضعیف قرار دیا ہے اور بعض نے تو اس پر ایک حدیث گھڑنے کا الزام بھی لگایا ہے۔''

(البداية والنهاية : 303/11، وفي نسخة : 344)

ابونجیب عبدالغفار بن عبدالواحد ارموی کہتے ہیں: رَأَيْتُ أَهْلَ الْمَوْصِلِ يُوهِنُونَ أَبَا الْفَتْحِ الْأَزْدِيَّ جِدًّا، وَلَا يَعُدُّونَهٗ شَيْئًا.

''میں نے موصل کے اہل علم کو دیکھا ہے کہ وہ ابوالفتح ازدی کو بہت زیادہ ضعیف اور ناقابل التفات قرار دیتے تھے۔'' (تاریخ بغداد للخطیب: 244/2)

امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ابوبکر برقانی سے اس کے بارے میں پوچھا: فَأَشَارَ إِلٰى أَنَّهٗ كَانَ ضَعِيفًا، وَقَالَ: رَأَيْتُهٗ فِي جَامِعِ الْمَدِينَةِ، وَأَصْحَابُ الْحَدِيثِ لَا يَرْفَعُونَ بِهٖ رَأْسًا، وَيَتَجَنَّبُونَهٗ.

''انہوں نے اس کے ضعیف ہونے کی طرف اشارہ کیا اور فرمایا: میں نے اسے بغداد کی مسجد میں دیکھا۔ محدثین اس کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے تھے، بلکہ اس سے اجتناب کرتے تھے۔''(تاریخ بغداد: 244/2)

خود امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَفِي حَدِيثِهٖ غَرَائِبُ وَمَنَاكِيرُ. ''اس کی بیان کردہ احادیث میں غریب اور منکر روایات ہیں۔''

(تاریخ بغداد: 244/2)

امام خطیب فرماتے ہیں کہ میں نے اس کے بارے میں محمد بن جعفر بن علان سے پوچھا تو: فَذَكَرَهٗ بِالْحِفْظِ، وَحُسْنِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ، وَأَثْنٰى عَلَيْهِ.

''انہوں نے اسے ضبط اور حدیث کی اچھی معرفت سے متصف کیا اور اس کی تعریف کی۔''(أیضًا)

بہرحال حافظ محمد بن حسین بن احمد بن حسین ابوالفتح ازدی موصلی کو محدثین نے صراحتاً ''ضعیف'' قرار دیا ہے، اس کے برعکس اس کے متعلق کوئی واضح توثیق ثابت نہیں۔

④ ابوسہل بدر بن عبداللہ مصیصی کے بارے میں سبکی کہتے ہیں:

مَا عَلِمْتُ مِنْ حَالِهٖ شَيْئًا. ''مجھے اس کے حالات کا کچھ علم نہیں۔''

(شفاء السقام، ص: 34-35)

③ اس میں ابراہیم نخعی کی ''تدلیس'' بھی ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ سخاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

فِي ثُبُوتِهِ نَظَرٌ . ''اس کا ثبوت محل نظر ہے۔''(القول البديع، ص : 135)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ نے اسے باطل اور جھوٹی قرار دیا ہے۔(ميزان الاعتدال : 300/1)

ابن عراق کنانی نے بھی اسے باطل کہا ہے۔(تنزيه الشريعة : 175/2)

حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذَا الْحَدِيثُ مَوْضُوعٌ عَلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَا شِكٍّ وَّلَا رَيْبٍ عِنْدَ أَهْلِ الْمَعْرِفَةِ بِالْحَدِيثِ . ''حدیث کی معرفت رکھنے والے اہل علم کے نزدیک اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں کہ یہ حدیث خود گھڑ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے لگائی گئی ہے۔''(الصارم المنكي في الردّ على السبكي، ص : 169)

روایت نمبر ⑩ :

سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ حَجَّ الْبَيْتَ، وَلَمْ يَزُرْنِي، فَقَدْ جَفَانِي»

''جس نے حج کیا اور میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔''

(الكامل لابن عدي : 2480/7، وفي نسخة : 14/7، المجروحين لابن حبان : 73/3، غرائب مالك للدارقطني كما في شفاء السقام، ص : 28، تاريخ جرجان للسهمي، ص : 217)

تبصرہ :

یہ جھوٹی روایت ہے، کیونکہ:

① اس میں محمد بن محمد بن نعمان راوی ''ضعیف'' ہے۔جیسا کہ حافظ ابن الجوزی کہتے ہیں: قَالَ الدَّارَقُطْنِيُّ : الطَّعْنُ فِي هٰذَا الْحَدِيثِ مِنْ مُّحَمَّدِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ النُّعْمَانِ . ''امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں خرابی محمد بن محمد بن نعمان کی وجہ سے ہے۔''(الموضوعات : 217/2)

محمد بن محمد بن نعمان راوی ''متروک'' ہے۔(تقريب التهذيب لابن حجر : 6275)

② نعمان بن شبل باہلی بصری راوی بھی ''متروک'' ہے۔اس کے بارے میں امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : يَأْتِي مِنَ الثِّقَاتِ بِالطَّامَّاتِ، وَعَنِ الْأَثْبَاتِ بِالْمَقْلُوبَاتِ . ''یہ ثقہ راویوں کے ذمے جھوٹی اور حفظ وضبط والے راویوں کے ذمے مقلوب روایات لگاتا ہے۔''(كتاب المجروحين : 73/3)

فائدہ : ① اس راوی کے بارے میں موسیٰ بن ہارون حمال کہتے ہیں :

كَانَ مُتَّهَمًا . ''اس (نعمان بن شبل) پر حدیث گھڑنے کا الزام تھا۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال لابن عدي : 14/7)

لیکن اس قول کی سند کے راوی ابراہیم بن محمد بن عیسیٰ کی توثیق نہیں مل سکی۔

② عمران بن موسیٰ دجاجی کہتے ہیں : وَكَانَ ثِقَةً .

''یہ (نعمان بن شبل) ثقہ راوی تھا۔''(الكامل لابن عدي : 14/7)

لیکن یہ قول بھی جھوٹا ہے۔ اس کی سند میں صالح بن احمد بن ابومقاتل قیراطی راوی ہے، جس کو امام دارقطنی رحمہ اللہ نے ''متروک'' کہا ہے۔(سؤالات الحاكم للدارقطني : 113)

خود امام ابن عدی رحمہ اللہ اس کے بارے میں کہتے ہیں :

تَجَسَّرَ عَلٰى رَفْعِ أَحَادِيثَ مَوْقُوفَةٍ، وَعَلٰى وَصْلِ أَحَادِيثَ مُرْسَلَةٍ، وَعَلٰى أَحَادِيثَ يَسْرِقُهَا مِنْ قَوْمٍ، حَتّٰى لَا يَفُوتُهٗ شَيْءٌ .

''اس نے موقوف احادیث کو مرفوع اور مرسل احادیث کو موصول بنانے کی جسارت کی، نیز اس نے بہت سی احادیث لوگوں سے چوری کیں، حتی کہ اس سے کوئی چیز رہ نہ گئی۔''

(الكامل في ضعفاء الرجال : 74/4)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : هٰذَا مَوْضُوعٌ .

''یہ من گھڑت روایت ہے۔''(ميزان الاعتدال : 265/4)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' کہا ہے۔(البدر المنير : 299/6)

حافظ سخاوی رحمہ اللہ نے اسے [لَا يَصِحُّ] (غیر صحیح) کہا ہے۔(المقاصد الحسنة : 1178)

یہ حافظ سخاوی اور حافظ ابن ملقن کا تساہل ہے کہ اس روایت کو صرف ''ضعیف'' اور غیر صحیح کہا ہے، ورنہ اس طرح کے راویوں کی روایت ''موضوع'' (من گھڑت) درجے سے کم نہیں ہوتی۔

علامہ شوکانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اسے صنعانی، زرکشی اور ابن الجوزی نے ''موضوع'' (من گھڑت) قرار دیا ہے۔(الفوائد المجموعة في الأحاديث الموضوعة : 34)

اسی طرح ابن طاہر ہندی (تذكرة الموضوعات : 76) اور ابن عراق کنانی (تنزيه الشريعة المرفوعة عن الأخبار الشنيعة الموضوعة : 172/2) نے اسے من گھڑت قرار دیا ہے۔

روایت نمبر ⑪ : أَخْرَجَ أَبُو الْحَسَنِ يَحْيَى بْنُ الْحَسَنِ ابْنِ جَعْفَرٍ فِي [أَخْبَارِ الْمَدِينَةِ] مِنْ حَدِيثِ النُّعْمَانِ بْنِ شِبْلٍ، ثَنَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ عَنْ جَابِرٍ، عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِيٍّ، عَنْ عَلِيٍّ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَنْ زَارَ قَبْرِي بَعْدَ مَوْتِي، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي فِي حَيَاتِي، وَمَنْ لَّمْ يَزُرْنِي، فَقَدْ جَفَانِي».

''سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : جس شخص نے میری وفات کے بعد میری قبر کی زیارت کی، اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی اور جس نے میری زیارت نہ کی، اس نے مجھ سے بے وفائی کی۔''(شفاء السقام للسبكي، ص : 39)

تبصرہ : یہ جھوٹی سند ہے، کیونکہ :

① اس میں وہی نعمان بن شبل ''متروک'' راوی موجود ہے جس کا تذکرہ ابھی ابھی ہوا ہے۔

② محمد بن فضل بن عطیہ عبسی، کوفی راوی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں : كَذَّبُوهُ. ''محدثین کرام نے اسے جھوٹا کہا ہے۔''

(تقريب التهذيب : 6225)

③ جابر بن یزید جعفی مشہور رافضی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ رَافِضِيٌّ . ''یہ ضعیف رافضی راوی ہے۔''(تقريب التهذيب : 878)

حافظ نووی رحمہ اللہ کہتے ہیں : وَالْجُعْفِيُّ مُتَّفَقٌ عَلٰى ضَعْفِهٖ، وَتَرْكِ حَدِيثِهٖ . ''جابر جعفی کے ضعیف اور متروک الحدیث ہونے پر (جمہور) محدثین کرام کا اتفاق ہے۔''(خلاصة الأحكام : 684/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(طبقات المدلّسين : 53)

معلوم ہوا کہ یہ روایت جھوٹ کا پلندا اور رافضیوں کی کارروائی ہے۔

④ محمد بن علی ابوجعفر محمد باقر کی روایت سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے ''منقطع'' ہوتی ہے۔

روایت نمبر ⑫ : سیدنا ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ زَارَ قَبْرِي حَلَّتْ لَهٗ شَفَاعَتِي» .

''جو شخص میری قبر کی زیارت کرے گا، اس کے لیے میری سفارش واجب ہو جائے گی۔''(مسند البزّار (كشف الأستار) : 57/2، ح : 1198)

تبصرہ : یہ سفید جھوٹ ہے، کیونکہ:

① اس کے راوی عبد اللہ بن ابراہیم غفاری کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مَتْرُوكٌ، وَنَسَبَهُ ابْنُ حِبَّانَ إِلَى الْوَضْعِ .

''یہ متروک راوی ہے۔ امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اس پر حدیث گھڑنے کا الزام لگایا ہے۔''(تقريب التهذيب : 3199)

② اس کا استاذ عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم بھی جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : عَبْدُ الرَّحْمٰنِ مُتَّفَقٌ عَلٰى تَضْعِيفِهٖ .

''عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم کے ضعیف ہونے پر (جمہور) اہل علم کا اتفاق ہے۔''

(اتّحاف المهرة : 97/12، ح : 15163)

روایت نمبر ⑬ : أَخْرَجَ أَبُو الْفُتُوحِ سَعِيدُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ إِسْمَاعِيلَ الْيَعْقُوبِيُّ فِي [جُزْءٍ] مِنْ طَرِيقِ خَالِدِ بْنِ يَزِيدَ : ثَنَا عَبْدُ اللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ الْعُمْرِيُّ، قَالَ : سَمِعْتُ سَعِيدًا الْمَقْبُرِيَّ يَقُولُ : سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : «مَنْ زَارَنِي بَعْدَ مَوْتِي، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي وَأَنَا حَيٌّ» . ''سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے میری وفات کے بعد میری زیارت کی، اس نے گویا میری زندگی میں مجھے دیکھا۔''(شفاء السقام للسبكي، ص : 34-35)

تبصرہ : یہ بھی جھوٹی اور باطل سند ہے، کیونکہ :

اس کے راوی خالد بن یزید ابوولید عمری کے بارے میں امام یحییٰ بن معین فرماتے ہیں کہ یہ ''کذاب'' ہے۔(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 360/3، وسندهٔ صحيحٌ)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : كَانَ كَذَّابًا، أَتَيْتُهُ بِمَكَّةَ، وَلَمْ أَكْتُبْ عَنْهُ، وَكَانَ ذَاهِبَ الْحَدِيثِ . ''یہ سخت جھوٹا راوی تھا۔ میں اسے مکہ میں ملا، لیکن اس سے کوئی حدیث نہیں لکھی۔ یہ حدیث میں ناقابل اعتبار تھا۔''

(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 307/3)

امام عقیلی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَخَالِدٌ هٰذَا يُحَدِّثُ بِالْخَطَأِ، وَيَحْكِي عَنِ الثِّقَاتِ مَا لَا أَصْلَ لَهٗ . ''یہ خالد راوی غلط روایات بیان کرتا ہے اور ثقہ راویوں سے بے اصل روایات نقل کرتا ہے۔''(الضعفاء الكبير : 18/3)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(السنن : 226/1)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : مُنْكَرُ الْحَدِيثِ جِدًّا، أَكْثَرُ مَنْ كَتَبَ عَنْهُ أَصْحَابُ الرَّأْيِ، لَا يُشْتَغَلُ بِذِكْرِهٖ، لِأَنَّهٗ يَرْوِي الْمَوْضُوعَاتِ عَنِ الْأَثْبَاتِ .

''یہ سخت منکر احادیث بیان کرتا ہے۔اکثر اصحابِ رائے ہی اس سے روایات لکھتے ہیں۔اس کا ذکر ہی نہیں کرنا چاہیے، کیونکہ یہ ثقہ راویوں کے ذمے من گھڑت لگاتا ہے۔''(كتاب المجروحين :1/284-285)

اس کے متعلق ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

روایت نمبر ⑭ : سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ زَارَنِي مَيِّتًا، فَكَأَنَّمَا زَارَنِي حَيًّا، وَمَنْ زَارَ قَبْرِي، وَجَبَتْ لَهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَا مِنْ أَحَدٍ مِّنْ أُمَّتِي لَهُ سَعَةٌ، ثُمَّ لَمْ يَزُرْنِي، فَلَيْسَ لَهُ عُذْرٌ» . ''جس نے میرے فوت ہونے کے بعد میری زیارت کی، اس نے گویا میری زندگی میں میری زیارت کی۔جس نے میری قبر کی زیارت کی،اس کے لیے قیامت کے دن میری سفارش واجب ہوگئی اور میرے جس امتی کے پاس فرصت ہوئی،لیکن اس نے پھر بھی میری زیارت نہ کی،اس کا کوئی عذر قبول نہیں ہوگا۔''

(الدرّة الثمينة في فضائل المدينة لابن النجّار، ص : 144)

تبصرہ : یہ جھوٹی روایت اور گھڑنتل ہے، کیونکہ:

① سمعان بن مہدی کے بارے میں علامہ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

حَيَوَانٌ لَّا يُعْرَفُ، أُلْصِقَتْ بِهٖ نُسْخَةٌ مَّكْذُوبَةٌ، رَأَيْتُهَا، قَبَّحَ اللّٰهُ مَنْ وَّضَعَهَا . ''یہ نامعلوم جاندار ہے۔اس کی طرف ایک جھوٹی کتاب منسوب ہے۔میں نے وہ دیکھی ہوئی ہے۔اللہ تعالیٰ اس کو گھڑنے والے پر لعنت کرے۔''

(ميزان الاعتدال : 2/234)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : فَذَكَرَ النُّسْخَةَ، وَهِيَ أَكْثَرُ مِنْ ثَلَاثِ مِأَةِ حَدِيثٍ، أَكْثَرُ مُتُونِهَا مَوْضُوعَةٌ . ''اس نے ایک نسخہ ذکر کیا ہے، جس میں تین سو سے زائد احادیث ہیں۔ان میں سے اکثر متون من گھڑت ہیں۔''

(لسان الميزان : 3/114)

④ ابوالعباس جعفر بن ہارون واسطی کے بارے میں حافظ ذہبی فرماتے ہیں :

أَتٰى بِخَبَرٍ مَّوْضُوعٍ . ''اس نے من گھڑت روایت بیان کی ہے۔''

(میزان الاعتدال :420/1)

③ محمد بن مقاتل رازی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

تُكُلِّمَ فِيهِ، وَلَمْ يُتْرَكْ . ''یہ مجروح راوی ہے،لیکن متروک نہیں۔''

(میزان الاعتدال : 47/4)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(تقريب التهذيب : 6319)

روایت نمبر ⑮ : ایک روایت میں ہے :

«مَنْ زَارَنِي وَزَارَ أَبِي إِبْرَاهِيمَ فِي عَامٍ وَّاحِدٍ، ضَمَّنْتُ لَهُ الْجَنَّةَ» .

''جس نے میری اور میرے والد ابراہیم علیہ السلام کی ایک ہی سال میں زیارت کی، میں اسے جنت کی ضمانت دیتا ہوں۔''(المجموع شرح المهذّب للنووي : 261/8، وفي نسخة : 209/8)

تبصرہ : حافظ نووی رحمہ اللہ اسے ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں :

وَهٰذَا بَاطِلٌ، لَيْسَ هُوَ مَرْوِيًّا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا يُعْرَفُ فِي كِتَابٍ صَحِيحٍ وَّلَا ضَعِيفٍ، بَلْ وَضَعَهٗ بَعْضُ الْفَجَرَةِ .

''یہ باطل روایت ہے۔یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی نہیں،نہ ہی کسی صحیح یا ضعیف کتاب میں اس کا ذکر ہے۔اسے تو بعض جھوٹے لوگوں نے خود گھڑ لیا ہے۔''(أيضًا)

روایت نمبر ⑯ : ایک روایت یوں ہے :

«رَحِمَ اللّٰهُ مَنْ زَارَنِي، وَزِمَامُ نَاقَتِهٖ بِيَدِهٖ» . ''جس شخص نے اپنی اونٹنی کی لگام تھامے ہوئے میری زیارت کی،اللہ تعالیٰ اس پر بھی رحم فرمائے۔''

(المقاصد الحسنة للسخاوي :363/1، ح : 515)

تبصرہ : حافظ سخاوی رحمہ اللہ یہ روایت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں :

قَالَ شَيْخُنَا (ابْنُ حَجَرٍ) : إِنَّهٗ لَا أَصْلَ لَهٗ بِهٰذَا اللَّفْظِ .

''ہمارے شیخ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ) نے فرمایا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ یہ روایت بے

اصل و بے سروپا ہے۔''

روایت نمبر ⑰ : سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ حَجَّ إِلٰى مَكَّةَ، ثُمَّ قَصَدَنِي فِي مَسْجِدِي، كُتِبَتْ لَهٗ حَجَّتَانِ مَبْرُورَتَانِ» . ''جو شخص مکہ مکرمہ میں حج کرنے کے بعد میری مسجد میں میری زیارت کو آئے، اس کے لیے دو مقبول حجوں کا ثواب لکھ دیا جائے گا۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي لابن عبد الهادي، ص : 79)

تبصرہ : یہ موضوع (من گھڑت) روایت ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی اُسید بن زید بن نجیح جمال کوفی ''متروک'' اور ''کذاب'' ہے۔

اسے امام یحییٰ بن معین (تاريخ يحيى بن معين برواية العبّاس الدوري : 39/2) نے ''کذاب''، امام نسائی (كتاب الضعفاء والمتروكين : 285) نے ''متروک'' اور امام دارقطنی (تاريخ بغداد للخطيب : 48/7، وسندهٗ حسنٌ) نے ''ضعیف الحدیث'' کہا ہے۔

امام ابن عدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : يَتَبَيَّنُ عَلٰى رِوَايَاتِهٖ ضُعْفٌ، وَعَامَّةُ مَا يَرْوِيهِ لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ . ''اس کی روایات میں کمزوری واضح ہے۔ اس کی بیان کردہ اکثر روایات منکر ہیں۔'' (الكامل في ضعفاء الرجال : 401/1)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَكَانُوا يَتَكَلَّمُونَ فِيهِ .

''محدثین کرام اس پر جرح کرتے تھے۔'' (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 318/2)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں : يَرْوِي عَنِ الثِّقَاتِ الْمَنَاكِيرَ، وَيَسْرِقُ الْحَدِيثَ، وَيُحَدِّثُ بِهٖ . ''یہ ثقہ راویوں سے منکر روایات بیان کرتا تھا اور حدیث کو چوری کر کے اسے بیان کرتا تھا۔'' (كتاب المجروحين : 180/1)

ابونصر بن ماکولا کہتے ہیں : ضَعَّفُوهُ .

''محدثین نے اسے ضعیف کہا ہے۔'' (الإكمال : 56/1)

خطیب بغدادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَكَانَ غَيْرَ مَرْضِيٍّ فِي الرِّوَايَةِ .

''یہ روایتِ حدیث میں محدثین کا ناپسندیدہ تھا۔'' (تاریخ بغداد : 47/7)

اس کے علاوہ بھی اس پر بہت سی جروح ثابت ہیں۔ اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔صحیح بخاری میں اس کی روایت مقرون بغیرہ ہے۔

② عیسیٰ بن بشیر راوی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں :

لَا يُدْرٰى مَنْ ذَا، وَأَتٰى بِخَبَرٍ بَاطِلٍ . ''معلوم نہیں کہ یہ کون ہے۔اس نے ایک جھوٹی روایت بیان کی ہے۔'' (ميزان الاعتدال في نقد الرجال : 310/3)

روایت نمبر ⑱ : سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی طرف منسوب روایت ہے کہ :

«مَنْ سَأَلَ لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدَّرَجَةَ الْوَسِيلَةَ، حَلَّتْ لَهُ الشَّفَاعَةُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ زَارَ قَبْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَانَ فِي جِوَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ» .

''جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وسیلے کے درجے کا سوال کیا،اس کے لیے قیامت کے روز شفاعت واجب ہو جائے گی اور جس نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرمبارک کی زیارت کی،وہ (جنت میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہے گا۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي لابن عبد الهادي، ص : 182، وفي نسخة : 151-152)

تبصرہ : یہ موضوع و مکذوب روایت ہے۔ اس کو گھڑنے والا راوی عبدالملک بن ہارون بن عنترہ ہے۔یہ باتفاقِ محدثین ''کذاب'' اور ''متروک'' ہے۔یہ جھوٹی حدیثیں گھڑنے کا ماہر تھا۔

حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَهٰذَا مِنَ الْمَكْذُوبَاتِ أَيْضًا عَلٰى عَلِيٍّ رَضِيَ اللّٰهُ عَنهُ . ''یہ روایت بھی خود گھڑ کر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے ذمے تھوپی گئی ہے۔'' (الصارم المنكي : 182)

زیارتِ قبرنبوی کی روایات اور اہل علم کی تحقیق

یہ ساری کی ساری ''ضعیف'' احادیث ہیں جو ناقابل حجت ہیں۔ دین صحیح احادیث کا

نام ہے۔ان احادیث کے بارے میں اہل علم کی تحقیق ملاحظہ فرمائیں :

① شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں :

اَلْأَحَادِيثُ الَّتِي رُوِيَتْ فِي زِيَارَةِ قَبْرِهٖ ضَعِيفَةٌ، بَلْ مَوْضُوعَةٌ .

''نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبرمبارک کی زیارت کے حوالے سے بیان کی جانے والی تمام روایات ضعیف بلکہ من گھڑت ہیں۔''(الردّ علی البكري : 253)

② ابن عبدالہادی رحمہ اللہ (705-744ھ) کہتے ہیں :

وَجَمِيعُ الْأَحَادِيثِ الَّتِي ذَكَرَهَا الْمُعْتَرِضُ (أَيِ السُّبْكِيُّ) فِي هٰذَا الْبَابِ، وَزَعَمَ : إِنَّهَا بِضْعَةَ عَشَرَ حَدِيثًا، لَيْسَ فِيهَا حَدِيثٌ صَحِيحٌ، بَلْ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ وَّاهِيَةٌ، وَقَدْ بَلَغَ الضُّعْفُ بِبَعْضِهَا إِلَى أَنْ حَكَمَ عَلَيْهِ الْأَئِمَّةُ الْحُفَّاظُ بِالْوَضْعِ، كَمَا أَشَارَ إِلَيْهِ شَيْخُ الْإِسْلَامِ (ابْنُ تَيْمِيَّةَ) .

''معترض (سبکی) نے اس بارے میں جتنی بھی روایات ذکر کی ہیں اور دعویٰ کیا ہے کہ یہ دس سے زائد حدیثیں ہیں، ان میں سے کوئی ایک بھی حدیث صحیح نہیں، بلکہ یہ ساری کی ساری ضعیف اور کمزور ہیں، بلکہ بعض کا ضعف تو اتنا شدید ہے کہ ان پر ائمہ دین وحفاظ نے من گھڑت ہونے کا حکم لگایا ہے۔اسی طرف شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے اشارہ فرمایا ہے۔''(الصارم المنكي في الردّ على السبكي : 21)

③ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) فرماتے ہیں :

طُرُقُ هٰذَا الْحَدِيثِ كُلُّهَا ضَعِيفَةٌ . ''اس حدیث کی ساری سندیں ضعیف ہیں۔''(التلخيص الحبير : 267/2)

فائدہ : حافظ ذہبی رحمہ اللہ (673-748ھ) لکھتے ہیں : وَفِي الْبَابِ الْأَخْبَارُ اللَّيِّنَةُ، مِمَّا يُقَوِّي بَعْضُهٗ بَعْضًا، لِأَنَّ مَا فِي رُوَاتِهَا مُتَّهَمٌ بِالْكِذْبِ .

''اس بارے میں روایات کمزور ہیں جو ایک دوسرے کو تقویت دیتی ہیں، کیونکہ ان کے راویوں میں سے کسی پر جھوٹ بولنے کا الزام نہیں ہے۔''(تاريخ الإسلام : 213/11)

اسی طرح حافظ سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) فرماتے ہیں:

وَكَذَا قَالَ الذَّهْبِيُّ : طُرُقُهُ كُلُّهَا لَيِّنَةٌ، لٰكِنْ يَتَقَوّٰى بَعْضُهَا بِبَعْضٍ، لِأَنَّ مَا فِي رِوَايَتِهَا مُتَّهَمٌ بِالْكَذِبِ . ''اسی طرح ذہبی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سندیں تو ساری کی ساری ضعیف ہیں،لیکن وہ ایک دوسرے سے تقویت حاصل کرتی ہیں، کیونکہ ان کی سند میں کوئی متہم بالکذب راوی موجود نہیں۔'' (المقاصد الحسنة :647/1)

یعنی حافظ ذہبی وسخاوی کے نزدیک بھی اس حدیث کی ساری سندیں ''ضعیف'' ہیں اور اس کی کوئی ایک بھی سند حسن یا صحیح نہیں۔البتہ وہ ان ساری ''ضعیف'' سندوں کے مل کر قابل حجت ہونے کا نظریہ رکھتے ہیں۔ان کی یہ بات ان کے تساہل پر مبنی ہے اور کئی اعتبار سے محل نظر ہے:

① اس حدیث کی کئی سندوں میں ''کذاب'' اور ''متہم بالکذب'' راوی موجود ہیں، جیسا کہ قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں۔خود حافظ ذہبی نے بھی اسی حدیث کی بعض سندوں کے راویوں کو ''کذاب'' اور ''متروک'' قرار دیا ہے۔

② کئی ''ضعیف'' سندوں کے باہم مل کر قابل حجت بننے کا نظریہ متقدمین ائمہ دین کے ہاں رائج نہیں تھا۔یہ بعد کے ادوار میں متاخرین نے بنایا اور اپنایا ہے۔یہی وجہ ہے کہ اس تساہل پسندانہ قاعدے کے نفاذ میں متاخرین بھی اختلاف کا شکار ہیں۔اسی حدیث کا معاملہ دیکھ لیں کہ ''ضعیف+ضعیف=قابل حجت'' کے قاعدے کو تسلیم کرنے والے اہل علم ہی اس کے حکم میں مختلف ہیں،بعض اسے ''ضعیف'' بلکہ من گھڑت قرار دیتے ہیں تو بعض اسے قابل حجت بتا رہے ہیں۔

الحاصل : قبر نبوی کی زیارت کی فضیلت واہمیت کے بارے میں بیان کی جانے والی تمام روایات ''ضعیف'' اور نا قابل حجت ہیں۔ان میں سے کوئی بھی پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچ پائی۔دین صحیح سند کے ساتھ ہم تک پہنچے والی احادیث کا نام ہے۔ حدیث کے ''ضعیف'' ہونے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔ جو بات نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہ ہو، وہ کسی مسلمان کا دین ہرگز نہیں بن سکتی۔

رسالت مآب ﷺ سے متعلق کچھ روایات کی تحقیق

ابوعبداللہ صارم

نبی اکرم ﷺ کے تعلق سے کچھ روایات عام طور پر سنی سنائی جاتی ہیں، ان کی تحقیق پیشِ خدمت ہے:

روایت نمبر ①:

سیدنا عمار بن یاسر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِقَبْرِي مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ، فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا بَلَّغَنِي بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيهِ ؛ هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ، قَدْ صَلّٰى عَلَيْكَ .

''اللہ تعالیٰ میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر فرمائے گا جسے تمام مخلوقات کی آوازیں سننے کی صلاحیت عطا کی گئی ہوگی۔ روز قیامت تک جو شخص بھی مجھ پر درود پڑھے گا، وہ فرشتہ درود پڑھنے والے اور اس کے والد کا نام مجھ تک پہنچائے گا اور عرض کرے گا: اللہ کے رسول! فلاں کے بیٹے فلاں نے آپ پر درود بھیجا ہے۔''

(مسند البزّار : 254/4، ح : 1425، التاريخ الكبير للبخاري : 416/6، مسند الحارث : 962/2، ح : 1063، الترغيب لابي القاسم التيمي : 319/2، ح : 1671)

ابوالشیخ ابن حیان اصبہانی (العظمة : 263/2) اور امام طبرانی (المعجم الكبير، جلاء الافهام لابن القيّم، ص : 84، مجمع الزوائد للهيثمي : 162/10، الضعفاء الكبير للعقيلي : 249/3) کے بیان کردہ الفاظ یہ ہیں:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ كُلِّهَا، وَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِي إِذَا مِتُّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَيْسَ احَدٌ مِّنْ أُمَّتِي يُصَلِّي عَلَيَّ صَلَاةً، إِلَّا سَمَّاهُ

بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيهِ، قَالَ : يَا مُحَمَّدُ ! صَلّٰى عَلَيْكَ فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ كَذَا وَكَذَا، فَيُصَلِّي الرَّبُّ عَزَّ وَجَلَّ عَلٰى ذٰلِكَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدَةٍ عَشْرًا .

اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ایسا ہے جسے تمام مخلوقات کی آوازیں سننے کی صلاحیت عنایت کی گئی ہے۔وہ میری موت کے بعد قیامت تک میری قبر پر کھڑا رہے گا۔ میرا جو بھی امتی مجھ پر ایک مرتبہ درود پڑھے گا، وہ فرشتہ اس درود کو پڑھنے والے اور اس کے والد کے نام سمیت مجھ تک پہنچاتے ہوئے عرض کرے گا:اے محمد(ﷺ)!فلاں بن فلاں نے آپ پر اتنا اتنا درود بھیجا ہے۔اللہ رب العزت اس شخص پر ایک درود پڑھنے کے عوض دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔''

تبصرہ : یہ روایت سخت ضعیف ہے، کیونکہ :

① **اس کا راوی عمران بن حمیری جعفی ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے امام ابن حبان** رحمہ اللہ (الثقات : 223/5) **کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔**

اس کے بارے میں امام بخاری رحمہ اللہ **فرماتے ہیں :** لَا يُتَابَعُ عَلَيْهِ .

''یہ منکر روایات بیان کرتا ہے۔'' (التاريخ الكبير :416/6)

امام ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ **نے اس کے بارے میں کوئی جرح و تعدیل ذکر نہیں کی۔**

علامہ ذہبی رحمہ اللہ **اس کے بارے میں فرماتے ہیں:** لَا يُعْرَفُ .

''یہ مجہول راوی ہے۔'' (ميزان الاعتدال : 236/3)

حافظ منذری رحمہ اللہ **نے بھی یہی فرمایا ہے۔** (القول البديع للسخاوي، ص : 119)

حافظ ہیثمی ،حافظ ذہبی پر اعتماد کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

وَقَالَ صَاحِبُ الْمِيزَانِ : لَا يُعْرَفُ .

''صاحبِ میزان الاعتدال (علامہ ذہبی رحمہ اللہ**) کا کہنا ہے کہ یہ راوی مجہول ہے۔''**

(مجمع الزوائد : 162/10)

علامہ عبدالروف مناوی ،علامہ ہیثمی کے حوالے سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

لَمْ اَعْرِفْهُ . **''میں اسے پہچان نہیں پایا۔''** (فيض القدير : 612/2)

② اس کا راوی نعیم بن ضمضم ضعیف ہے۔اس کے بارے میں:
حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ضعیف الحدیث راوی ہے۔
(المغني في الضعفاء : 701/2)

علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: نَعِيمُ بْنُ ضَمْضَمَ ضَعِيفٌ .
نعیم بن ضمضم ضعیف راوی ہے۔(مجمع الزوائد : 162/10)
اس کے بارے میں ادنیٰ کلمہ توثیق بھی ثابت نہیں۔

روایت نمبر ② :

قَالَ (شِيرْوَيْهِ بْنُ شَهْرِدَارَ) الدَّيْلَمِيُّ : أَنْبَأَنَا وَالِدِي (شَهْرِدَارُ بْنُ شِيرْوَيْهِ) : أَنْبَأَنَا أَبُو الْفَضْلِ الْكَرَابِيسِيُّ (مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حَمْدَوَيْهِ) : أَنْبَأَنَا أَبُو الْعَبَّاسِ بْنُ تُرْكَانَ (الْفَرْضِيُّ) : حَدَّثَنَا مُوسَى بْنُ سَعِيدٍ (لَعَلَّهُ ابْنُ مُوسَى بْنِ سَعِيدٍ أَبُو عِمْرَانَ الْهَمْدَانِيُّ) : حَدَّثَنَا أَحْمَدُ بْنُ حَمَّادِ بْنِ سُفْيَانَ : حَدَّثَنِي مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ صَالِحٍ الْمَرْوَزِيُّ : حَدَّثَنَا بَكْرُ بْنُ خِرَاشٍ عَنْ فِطْرِ بْنِ خَلِيفَةَ، عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ، عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ، قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) : «أَكْثِرُوا الصَّلَاةَ عَلَيَّ، فَإِنَّ اللّٰهَ وَكَّلَ بِي مَلَكًا عِنْدَ قَبْرِي، فَإِذَا صَلّٰى عَلَيَّ رَجُلٌ مِّنْ أُمَّتِي، قَالَ لِي ذٰلِكَ الْمَلَكُ : يَا مُحَمَّدُ ! إِنَّ فُلَانَ ابْنَ فُلَانٍ صَلّٰى عَلَيْكَ السَّاعَةَ» .

”سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھ پر زیادہ سے زیادہ درود پڑھا کرنا۔اللہ تعالیٰ میری قبر کے پاس ایک فرشتے کو مامور کرے گا۔جب میری امت میں سے کوئی فرد مجھ پر درود بھیجے گا تو یہ فرشتہ میری جناب میں عرض کرے گا :اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)!فلاں بن فلاں نے ابھی آپ پر درود بھیجا ہے۔“
(اللآلي المصنوعة في الأحاديث الموضوعة للسيوطي :259/1، الصحيحة للألباني : 1530)

تبصرہ: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی بکر بن خداش ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات: 148/8) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

② محمد بن عبداللہ بن صالح مروزی کے حالاتِ زندگی نہیں مل سکے۔

③ ابوالفضل کرابیسی کے حالات اور توثیق بھی نہیں ملی۔

حافظ سخاوی لکھتے ہیں: وَفِي سَنَدِہٖ ضَعْفٌ .

''اس کی سند میں کمزوری ہے۔'' (القول البدیع في الصلاۃ علی الحبیب الشفیع، ص:161)

یوں یہ دونوں روایات بلحاظِ سند ضعیف ہیں۔

روایت نمبر ③ :

سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِينَ، يُبَلِّغُونِّي عَنْ أُمَّتِي السَّلَامَ، قَالَ: وَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: «حَيَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ، تُحَدِّثُونَ وَنُحَدِّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَّكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ، فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُّ اللّٰهَ عَلَيْهِ، وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ اسْتَغْفَرْتُ اللّٰهَ لَكُمْ» .

''زمین میں اللہ تعالیٰ کے فرشتے گشت کر رہے ہیں جو میری امت کی طرف سے پیش کیا گیا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں۔میری زندگی بھی تمہارے لیے بہتر ہے کہ ہم آپس میں ہم کلام ہوتے رہتے ہیں اور میری وفات بھی تمہارے لیے بہتر ہوگی کہ تمہارے اعمال مجھ پر پیش کیے جاتے رہیں گے۔میں جو بھلائی دیکھوں گا،اس پر اللہ تعالیٰ کی تعریف کروں گا اور جو بُرائی دیکھوں گا،تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے استغفار کروں گا۔''

(مسند البزّار: 308/5، ح: 1925)

تبصرہ: اس کی سند ضعیف ہے، کیونکہ:

① امام سفیان ثوری رحمہ اللہ بصیغہ عن روایت کر رہے ہیں۔ مسلّم اصول ہے کہ ثقہ مدلس جب بخاری و مسلم کے علاوہ محتمل الفاظ سے حدیث بیان کرے تو جب تک سماع کی تصریح نہ ملے، وہ ضعیف ہی ہوتی ہے۔

② اس میں عبد المجید بن ابی رواد بھی ''مدلس'' ہے۔ سماع کی تصریح موجود نہیں۔ نیز عبد المجید بن ابی رواد جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور مجروح بھی ہے۔ اس پر امام حمیدی (الضعفاء الكبير للبخاري : 307)، امام ابوحاتم رازی (الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 65/6)، امام ابن حبان (كتاب المجروحين : 160/2)، امام دارقطنی (سوالات البرقاني : 317)، امام محمد بن یحییٰ بن ابی عمر (الضعفاء الكبير للعقيلي : 96/3، وسندہٗ صحیحٌ)، امام ابن سعد (الطبقات الكبرٰى : 500/5)، امام ابن عدی (الكامل في ضعفاء الرجال : 346/5)، امام ابوزرعہ (أسامي الضعفاء :637) وغیرہم نے سخت جروح کر رکھی ہیں۔

حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: فَقَدْ ضَعَّفَهٗ كَثِيرُونَ .

''یقیناً اسے جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''

(المغني عن حمل الأسفار في تخريج الإحياء : 144/4)

لہٰذا حافظ بوصیری کا اسے کے بارے میں [وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ] کہنا ''صحیح'' نہیں۔

روایت نمبر ④ : داود بن ابی صالح حجازی کا بیان ہے:

أَقْبَلَ مَرْوَانُ يَوْمًا، فَوَجَدَ رَجُلًا وَّاضِعًا وَجْهَهٗ عَلَى الْقَبْرِ، فَقَالَ : أَتَدْرِي مَا تَصْنَعُ؟ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ، فَإِذَا هُوَ أَبُو أَيُّوبَ، فَقَالَ : نَعَمْ، جِئْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ آتِ الْحَجَرَ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : «لَا تَبْكُوا عَلَى الدِّينِ إِذَا وَلِيَهٗ اَهْلُهٗ، وَلٰكِنِ ابْكُوا عَلَيْهِ إِذَا وَلِيَهٗ غَيْرُ أَهْلِهٖ» .

''ایک دن مروان آیا تو اس نے دیکھا کہ ایک شخص نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر اپنا

چہرہ رکھے ہوئے تھا۔ مروان نے کہا: تمہیں معلوم ہے کہ کیا کر رہے ہو؟ اس شخص نے مروان کی طرف چہرہ موڑا تو وہ سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ تھے۔ انہوں نے فرمایا: ہاں، مجھے خوب معلوم ہے، میں آج حجر اسود کے پاس نہیں گیا، بلکہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا ہوں۔ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا تھا کہ جب دین کا والی کوئی دین دار شخص بن جائے تو اس پر نہ رونا۔ اس پر اس وقت رونا جب اس کے والی نااہل لوگ بن جائیں۔

(مسند الإمام أحمد : 422/5، المستدرك على الصحيحين للحاكم : 515/4)

تبصرہ: اس روایت کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس کے راوی داؤد بن صالح حجازی کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: لَا یُعْرَفُ.

''یہ مجہول راوی ہے۔'' (میزان الاعتدال : 9/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے میں فرماتے ہیں: مَقْبُولٌ.

''یہ مجہول الحال شخص ہے۔'' (تقریب التھذیب : 1792)

لہٰذا امام حاکم رحمہ اللہ کا اس کی بیان کردہ اس روایت کی سند کو ''صحیح'' کہنا اور حافظ ذہبی رحمہ اللہ کا ان کی موافقت کرنا صحیح نہیں۔

دین کی باتیں ثقہ لوگوں سے قبول کی جائیں گی نہ کہ مجہول اور لاپتہ افراد سے۔

فائدہ: یہ روایت قبر کے ذکر کے بغیر معجم کبیر طبرانی (189/4، ح: 3999) اور معجم اوسط طبرانی (94/1، ح: 284) میں بھی موجود ہے، لیکن اس کی سند درج ذیل وجوہ سے ضعیف ہے:

① سفیان بن بشر کوفی راوی نامعلوم اور غیر معروف ہے۔

حافظ ہیثمی اس کے بارے میں فرماتے ہیں: وَلَمْ أَعْرِفْهُ.

''میں اسے نہیں پہچانتا۔'' (مجمع الزوائد : 130/9)

② مطلب بن عبد اللہ بن حنطب راوی ''مدلس'' ہے اور وہ بصیغہ عن روایت کر

رہا ہے۔اس کے سماع کی تصریح نہیں ملی۔

③ مطلب بن عبد اللہ کا سیدنا ابوایوب رضی اللہ عنہ سے سماع بھی ثابت نہیں۔

④ اس روایت میں امام طبرانی رحمہ اللہ کے دو استاذ ہیں۔ایک ہارون بن سلیمان ابوذر ہے اور وہ مجہول ہے،جبکہ دوسرا احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین ہے اور وہ ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں امام ابن ابی حاتم رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

سَمِعْتُ مِنْهُ بِمِصْرَ، وَلَمْ أُحَدِّثْ عَنْهُ، لِمَا تَكَلَّمُوا فِيهِ .

''میں نے اس سے مصر میں احادیث سنی تھیں،لیکن میں وہ احادیث بیان نہیں کرتا کیونکہ محدثین کرام نے اس پر جرح کی ہے۔''(الجرح والتعديل : 75/2)

امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : صَاحِبُ حَدِيثٍ كَثِيرٍ، أُنْكِرَتْ عَلَيْهِ أَشْيَاءُ، وَهُوَ مِمَّنْ يُكْتَبُ حَدِيثُهُ مَعَ ضُعْفِهِ .

''اس کے پاس بہت سی احادیث تھیں۔ان میں سے کئی ایک روایات کو محدثین کرام نے منکر قرار دیا ہے۔اس کے ضعیف ہونے کے باوجود اس کی حدیث (متابعات وشواہد میں) لکھی جائے گی۔''(الكامل في ضعفاء الرجال : 198/1)

حافظ ہیثمی نے بھی احمد بن محمد بن حجاج بن رشدین کو ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(مجمع الزوائد : 25/5، 694/6)

روایت نمبر ⑤ :

قَالَ ابْنُ عَسَاكِرٍ : أَنْبَأَنَا أَبُو مُحَمَّدِ بْنُ الْأَكْفَانِيِّ : نَا عَبْدُ الْعَزِيزِ بْنُ أَحْمَدَ : أَنَا تَمَّامُ بْنُ مُحَمَّدٍ : نَا مُحَمَّدُ بْنُ سُلَيْمَانَ : نَا مُحَمَّدُ بْنُ الْفَيْضِ : نَا أَبُو إِسْحَاقَ إِبْرَاهِيمُ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالِ بْنِ أَبِي الدَّرْدَاءِ : حَدَّثَنِي أَبِي مُحَمَّدُ ابْنُ سُلَيْمَانَ عَنْ أَبِيهِ سُلَيْمَانَ بْنِ بِلَالٍ، عَنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ، عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ، قَالَ : إِنَّ بِلَالًا رَأَى فِي مَنَامِهِ النَّبِيَّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّمَ)، وَهُوَ يَقُولُ لَهُ : «مَا هٰذِهِ الْجَفْوَةُ يَا بِلَالُ ! أَمَا اٰنَ لَكَ أَنْ تَزُورَنِي يَا بِلَالُ؟» فَانْتَبَهَ حَزِينًا وَّجِلًا خَائِفًا، فَرَكِبَ رَاحِلَتَهُ وَقَصَدَ الْمَدِينَةَ، فَأَتٰى قَبْرَ النَّبِيِّ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، فَجَعَلَ يَبْكِي عِنْدَهُ، وَيُمَرِّغُ وَجْهَهُ عَلَيْهِ، وَاَقْبَلَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ، فَجَعَلَ يَضُمُّهُمَا وَيُقَبِّلُهُمَا، فَقَالَا لَهُ : يَا بِلَالُ ! نَشْتَهِي نَسْمَعُ أَذَانَكَ الَّذِي كُنْتَ تُؤَذِّنُهُ لِرَسُولِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) فِي السَّحَرِ، فَفَعَلَ، فَعَلَا سَطْحَ الْمَسْجِدِ، فَوَقَفَ مَوْقِفَهُ الَّذِي كَانَ يَقِفُ فِيهِ، فَلَمَّا أَنْ قَالَ : اللّٰهُ أَكْبَرُ، اللّٰهُ أَكْبَرُ، ارْتَجَّتِ الْمَدِينَةُ، فَلَمَّا أَنْ قَالَ : أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ، زَادَ تَعَاجِيجُهَا، فَلَمَّا أَنْ قَالَ : أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، خَرَجَ الْعَوَاتِقُ مِنْ خُدُورِهِنَّ، فَقَالُوا : أَبُعِثَ رَسُولُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ)، فَمَا رُئِيَ يَوْمٌ أَكْثَرَ بَاكِيًا وَّلَا بَاكِيَةً بَعْدَ رَسُولِ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ) مِنْ ذٰلِكَ الْيَوْمِ .

سیدنا ابوالدرداء رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا:اے بلال! یہ کیا زیادتی ہے؟ کیا تمہارے لیے وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کرو؟اس پر بلال رضی اللہ عنہ گھبرائے ہوئے بیدار ہوئے۔ انہوں نے اپنی سواری کا رخ مدینہ منورہ کی طرف کرلیا۔نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک پر پہنچے اور اس کے پاس رونا شروع کر دیا۔ اپنا چہرہ اس پر ملنے لگے۔سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما ادھر آئے تو سیدنا بلال رضی اللہ عنہ نے ان سے معانقہ کیا اور ان کو بوسہ دیا۔ان دونوں نے سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے کہا: ہم آپ کی وہ اذان سننا چاہتے ہیں جو آپ مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے کہا کرتے تھے۔ انہوں نے ہاں کر دی۔مسجد کی چھت پر چڑھے اور اپنی اس جگہ کھڑے ہو گئے جہاں دورِنبوی میں کھڑے ہوتے تھے۔ جب انہوں نے اَللّٰهُ أَكْبَرُ ،اللّٰهُ أَكْبَرُ کہا تو مدینہ (رونے کی آواز سے) گونج اٹھا۔پھر جب انہوں نے أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ

کہا تو آوازیں اور زیادہ ہوگئیں۔جب وہ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ پر پہنچے تو دوشیزائیں اپنے پردوں سے نکل آئیں اور لوگ ایک دوسرے سے پوچھنے لگے: کیا رسول اللہ ﷺ دوبارہ زندہ ہو گئے ہیں؟رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی نے مدینہ میں مَردوں اور عورتوں کے رونے والا اس سے بڑا دن کوئی نہیں دیکھا۔

(تاریخ دمشق لابن عساکر: 137/7)

تبصرہ: یہ گھڑنتل ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَهِيَ قِصَّةٌ بَيِّنَةُ الْوَضْعِ . ''یہ داستان واضح طور پر کسی کی گھڑنت ہے۔''

(لسان المیزان: 108/1)

علامہ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: هٰذَا الْأَثَرُ الْمَذْكُورُ عَنْ بِلَالٍ لَيْسَ بِصَحِيحٍ . ''سیدنا بلال رضی اللہ عنہ سے منسوب مذکورہ روایت ثابت نہیں۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي، ص: 314)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: إِسْنَادُهٗ لَيِّنٌ، وَهُوَ مُنْكَرٌ .

اس کی سند کمزور ہے اور یہ روایت منکر ہے۔(سیر أعلام النبلاء: 358/1)

ابن عراق کنانی کہتے ہیں: وَهِيَ قِصَّةٌ بَيِّنَةُ الْوَضْعِ .

''یہ قصہ مبینہ طور پر گھڑا ہوا ہے۔''(تنزیه الشريعة: 59)

اس روایت کی سند میں کئی خرابیاں ہیں۔تفصیل یہ ہے:

① ابواسحاق ابراہیم بن محمد بن سلیمان بن بلال کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ یہ مجہول ہے۔(تاريخ الإسلام: 67/17)

نیز فرماتے ہیں: فِيهِ جَهَالَةٌ . ''یہ نامعلوم راوی ہے۔''

(میزان الاعتدال: 64/1، ت: 205)

حافظ ابن عبدالہادی رحمہ اللہ کہتے ہیں: هٰذَا شَيْخٌ لَّمْ يُعْرَفْ بِثِقَةٍ وَّأَمَانَةٍ، وَلَا ضَبْطٍ وَّعَدَالَةٍ، بَلْ هُوَ مَجْهُولٌ غَيْرُ مَعْرُوفٍ بِالنَّقْلِ، وَلَا مَشْهُورٍ

بِالرِّوَايَةِ، وَلَمْ يَرْوِ عَنْهُ غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ الْفَيْضِ، رَوٰی عَنْهُ هٰذَا الْأَثَرَ الْمُنْكَرَ .

''یہ ایسا راوی ہے جس کی امانت و دیانت اور ضبط و عدالت معلوم نہیں۔ یہ مجہول ہے اور نقل روایت میں غیر معروف ہے۔ اس سے محمد بن فیض کے علاوہ کسی نے روایت نہیں کی اور اس نے بھی یہ منکر قصہ اس سے روایت کیا ہے۔''(الصارم المنكي، ص : 314)

② اس روایت کے دوسرے راوی سلیمان بن بلال بن ابو درداء کے بارے میں حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: بَلْ هُوَ مَجْهُولُ الْحَالِ، وَلَمْ يُوَثِّقْهُ أَحَدٌ مِّنَ الْعُلَمَاءِ، فِيمَا عَلِمْنَاهُ . ''یہ مجہول الحال شخص ہے۔ ہمارے علم کے مطابق اسے کسی ایک بھی عالم نے معتبر قرار نہیں دیا۔''

(الصارم المنكي في الردّ على السبكي، ص : 314)

③ سلیمان بن بلال کا سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا سے سماع بھی ثابت نہیں، یوں یہ روایت منقطع بھی ہے۔ حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَلَا يُعْرَفُ لَهٗ سَمَاعٌ مِّنْ أُمِّ الدَّرْدَاءِ . ''اس کا سیدہ ام درداء رضی اللہ عنہا سے سماع بھی معلوم نہیں ہو سکا۔''(أيضًا)

حافظ ابن عبد الہادی رحمہ اللہ اس روایت کے بارے آخری فیصلہ سناتے ہوئے فرماتے ہیں: وَهُوَ أَثَرٌ غَرِيبٌ مُّنْكَرٌ، وَإِسْنَادُهٗ مَجْهُولٌ، وَفِيهِ انْقِطَاعٌ .

''یہ روایت غریب اور منکر ہے۔ اس کی سند مجہول ہے اور اس میں انقطاع بھی ہے۔''

(أيضًا)

تنبیہ : حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

إِسْنَادُهٗ جَيِّدٌ، مَا فِيهِ ضَعِيفٌ، لٰكِنْ إِبْرَاهِيمُ هٰذَا مَجْهُولٌ .

''اس کی سند عمدہ ہے۔ اس میں کوئی ضعیف راوی نہیں، البتہ یہ ابراہیم نامی راوی مجہول ہے۔''(تاريخ الإسلام : 373/5، بتحقيق بشّار، وفي نسخة : 67/17)

یہ علامہ ذہبی رحمہ اللہ کا علمی تسامح ہے۔ جس روایت کی سند میں دو راوی ''مجہول'' ہوں

اور اس کے ساتھ ساتھ انقطاع بھی ہو، وہ عمدہ کیسے ہو سکتی ہے؟ پھر خود انہوں نے اپنی دوسری کتاب (سير أعلام النبلاء : 358/1) میں اس کی سند کو کمزور اور اس روایت کو ''منکر'' بھی قرار دے رکھا ہے جیسا کہ ہم بیان کر آئے ہیں۔

اس بارے میں حافظ ابن حجر وغیرہ کی بات درست ہے کہ یہ قصہ جھوٹا اور من گھڑت ہے۔ یہ ان ''مجہول'' راویوں میں سے کسی کی کارروائی ہے۔ واللہ اعلم!

روایت نمبر ⑥ : محمد بن منکدر بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ جَابِرًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ، وَهُوَ يَبْكِي عِنْدَ قَبْرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَهُوَ يَقُولُ : هٰهُنَا تُسْكَبُ الْعَبَرَاتُ، سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : «مَا بَيْنَ قَبْرِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِّنْ رِّيَاضِ الْجَنَّةِ» .

''میں نے سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کے پاس روتے دیکھا۔ وہ فرما رہے تھے: آنسو بہانے کی جگہ یہی ہے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا تھا: میری قبر اور میرے منبر کے درمیان والی جگہ جنت کے باغیچوں میں سے ایک باغیچہ ہے۔'' (شعب الإيمان للبيهقي : 3866)

تبصرہ: اس کی سند سخت ترین ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① امام بیہقی رحمہ اللہ کا استاذ محمد بن حسین ابوعبدالرحمٰن سلمی ''ضعیف'' ہے۔

اس کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: تَكَلَّمُوا فِيهِ، وَلَيْسَ بِعُمْدَةٍ . ''محدثین کرام نے اس پر جرح کی ہے، یہ اچھا شخص نہیں تھا۔''

(ميزان الاعتدال في نقد الرجال : 523/3)

انہوں نے اسے ''ضعیف'' بھی کہا ہے۔ (تذكرة الحفّاظ : 166/3)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اس پر جرح کی ہے۔ (الإصابة في تمييز الصحابة : 252/2)

محمد بن یوسف قطان نیشاپوری فرماتے ہیں: غَيْرُ ثِقَةٍ، وَكَانَ يَضَعُ

”یہ قابل اعتبار شخص نہیں تھا۔۔۔یہ صوفیوں کے لیے روایات گھڑتا تھا۔“ لِلصُّوفِيَةِ الْأَحَادِيثَ .

(تاریخ بغداد للخطیب : 2/247، وسندهٗ صحيحٌ)

② اس کے مرکزی راوی محمد بن یونس بن موسیٰ کُدَیمی کے بارے میں امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اُتُّهِمَ بِوَضْعِ الْحَدِيثِ وَبِسَرِقَتِهِ .

”اس پر حدیث گھڑنے اور چوری کرنے کا الزام ہے۔“

(الكامل في ضعفاء الرجال : 6/292)

امام ابن حبان رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَكَانَ يَضَعُ عَلَى الثِّقَاتِ الْحَدِيثَ وَضْعًا، وَلَعَلَّهُ قَدْ وَضَعَ أَكْثَرَ مِنْ أَلْفِ حَدِيثٍ .

”یہ شخص ثقہ راویوں سے منسوب کر کے خود حدیث گھڑ لیتا تھا۔ شاید اس نے ایک ہزار سے زائد احادیث گھڑی ہیں۔“(كتاب المجروحين : 2/313)

امام دارقطنی رحمہ اللہ نے اسے ”متروک“ قرار دیا ہے۔(سؤالات الحاكم : 173)

ایک مقام پر فرماتے ہیں: كَانَ الْكُدَيْمِيُّ يُتَّهَمُ بِوَضْعِ الْحَدِيثِ .

”کُدَیمی پر حدیث گھڑنے کا الزام تھا۔“(سؤالات السهمي : 74)

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ کے سامنے اس کی ایک روایت پیش کی گئی تو انہوں نے فرمایا:

لَيْسَ هٰذَا حَدِيثٌ مِّنْ أَهْلِ الصِّدْقِ . ”یہ سچے شخص کی بیان کردہ حدیث نہیں۔“(الجرح والتعديل لابن أبي حاتم : 8/122)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: أَحَدُ الْمَتْرُوكِينَ .

”یہ ایک متروک راوی ہے۔“(ميزان الاعتدال في نقد الرجال : 4/74، ت : 8353)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی اسے ”ضعیف“ قرار دیا ہے۔(تقريب التهذيب : 6419)

فائدہ : نافع تابعی رحمہ اللہ اپنے استاذ، صحابی جلیل کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

إِنَّ ابْنَ عُمَرَ كَانَ يَكْرَهُ مَسَّ قَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ .

''سیدنا عبداللہ بن عمرؓ، نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو چھونا مکروہ سمجھتے تھے۔''

(جزء محمد بن عاصم الثقفي، ص : 106، ح : 27، سير أعلام النبلاء للذهبي : 378/12، وسندهٗ صحيحٌ)

ابو حامد محمد بن محمد طوسی المعروف بہ علامہ غزالی (450-505ھ) قبروں کو چھونے اور ان کو بوسہ دینے کے بارے میں فرماتے ہیں :

إِنَّهٗ عَادَةُ النَّصَارٰی وَالْيَهُودِ . ''ایسا کرنا یہود ونصاریٰ کی عادت ہے۔''

(إحياء علوم الدين : 244/1)

حافظ نووی رحمہ اللہ (631-676ھ) نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کو چومنے اور اس پر ماتھا وغیرہ ٹیکنے کے بارے میں فرماتے ہیں : لَا يَجُوزُ أَنْ يُّطَافَ بِقَبْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَيُكْرَهُ إِلْصَاقُ الْبَطْنِ وَالظَّهْرِ بِجِدَارِ الْقَبْرِ، قَالَهُ الْحَلِيمِيُّ وَغَيْرُهٗ، وَيُكْرَهُ مَسْحُهٗ بِالْيَدِ وَتَقْبِيلُهٗ، بَلِ الْأَدَبُ أَنْ يَّبْعُدَ مِنْهُ كَمَا يَبْعُدُ مِنْهُ لَوْ حَضَرَ فِي حَيَاتِهٖ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هٰذَا هُوَ الصَّوَابُ، وَهُوَ الَّذِي قَالَهُ الْعُلَمَاءُ وَأَطْبَقُوا عَلَيْهِ، وَيَنْبَغِي أَنْ لَّا يَغْتَرَّ بِكَثِيرٍ مِّنَ الْعَوَامِّ فِي مُخَالَفَتِهِمْ ذٰلِكَ فَإِنَّ الِاقْتِدَاءَ وَالْعَمَلَ إِنَّمَا يَكُونُ بِأَقْوَالِ الْعُلَماءِ، وَلَا يُلْتَفَتُ إِلٰى مُحْدَثَاتِ الْعَوَامِّ وَجَهَالَاتِهِمْ، وَلَقَدْ أَحْسَنَ السَّيِّدُ الْجَلِيلُ أَبُو عَلِيٍّ الْفُضَيْلُ بْنُ عِيَاضٍ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى فِي قَوْلِهٖ مَا مَعْنَاهُ : اتَّبِعْ طُرُقَ الْهُدٰى وَلَا يَضُرُّكَ قِلَّةُ السَّالِكِينَ، وَإِيَّاكَ وَطُرُقَ الضَّلَالَةِ، وَلَا تَغْتَرَّ بِكَثْرَةِ الْهَالِكِينَ، وَمَنْ خَطَرَ بِبَالِهٖ أَنَّ الْمَسْحَ بِالْيَدِ وَنَحْوِهٖ أَبْلَغُ فِي الْبَرَكَةِ، فَهُوَ مِنْ جَهَالَتِهٖ وَغَفْلَتِهٖ، لِأَنَّ الْبَرَكَةَ إِنَّمَا هِيَ فِيمَا وَافَقَ الشَّرْعَ وَأَقْوَالَ الْعُلَمَاءِ، وَكَيْفَ يَبْتَغِي الْفَضْلَ فِي مُخَالَفَةِ الصَّوَابِ .

''نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کا طواف کرنا جائز نہیں۔اسی طرح قبر مبارک کی دیوار

سے اپنا پیٹ اور اپنی پشت چمٹانا بھی مکروہ ہے۔علامہ حلیمی وغیرہ نے یہ بات فرمائی ہے۔قبر کو (تبرک کی نیت سے) ہاتھ لگانا اور اسے بوسہ دینا بھی مکروہ عمل ہے۔قبر مبارک کا اصل ادب تو یہ ہے کہ اس سے دور رہا جائے جیسا کہ نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں آپ کے پاس حاضر ہونے والے کے لیے ادب دور رہنا ہی تھا۔یہی بات درست ہے اور علمائے کرام نے اسی بات کی صراحت کی ہے اور اس پر اتفاق بھی کیا ہے۔کوئی مسلمان عام لوگوں کے ان ہدایات کے برعکس عمل کرنے سے دھوکا نہ کھا جائے، کیونکہ اقتدا تو علمائے کرام کے (اتفاقی) اقوال کی ہوتی ہے، نہ کہ عوام کی بدعات اور جہالتوں کی۔سید جلیل ابوعلی فضیل بن عیاض رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا ہے: [راہِ ہدایت کی پیروی کرو، اس راہ پر چلنے والوں کی قلت نقصان دہ نہیں۔گمراہیوں سے بچو اور گمراہوں کی کثرتِ افراد سے دھوکا نہ کھاؤ](ہم اس قول کی سند پر مطلع نہیں ہو سکے)۔جو شخص یہ سمجھتا ہے کہ قبر مبارک کو ہاتھ لگانے اور اس طرح کے دوسرے بدعی کاموں سے زیادہ برکت حاصل ہوتی ہے، وہ اپنی جہالت اور کم علمی کی بنا پر ایسا سوچتا ہے، کیونکہ برکت تو شریعت کی موافقت اور اہل علم کے اقوال کی روشنی میں ملتی ہے۔خلافِ شریعت کاموں میں برکت کا حصول کیسے ممکن ہے؟''

(الإيضاح في مناسك الحجّ والعمرة، ص: 456)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) فرماتے ہیں:

وَأَمَّا التَّمَسُّحُ بِالْقَبْرِ أَوِ الصَّلَاةُ عِنْدَهٗ، أَوْ قَصْدُهٗ لِأَجْلِ الدُّعَاءِ عِنْدَهٗ، مُعْتَقِدًا أَنَّ الدُّعَاءَ هُنَاكَ أَفْضَلُ مِنَ الدُّعَاءِ فِي غَيْرِهٖ، أَوِ النَّذْرُ لَهٗ وَنَحْوُ ذٰلِكَ، فَلَيْسَ هٰذَا مِنْ دِينِ الْمُسْلِمِينَ، بَلْ هُوَ مِمَّا أُحْدِثَ مِنَ الْبِدَعِ الْقَبِيحَةِ الَّتِي هِيَ مِنْ شُعَبِ الشِّرْكِ، وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَأَحْكَمُ.

''قبر کو (تبرک کی نیت سے) ہاتھ لگانا، اس کے پاس نماز پڑھنا، دُعا مانگنے کے لیے قبر کے پاس جانا، یہ اعتقاد رکھنا کہ وہاں دُعا عام جگہوں سے افضل ہے اور قبر پر نذر و نیاز کا اہتمام کرنا وغیرہ ایسے کام ہیں جن کا دین اسلام سے کوئی تعلق نہیں۔یہ کام تو ان قبیح بدعات

میں سے ہیں جو شرک کے مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھتی ہیں۔ واللہ اعلم واحکم!‘‘

(مجموع الفتاویٰ : 321/24،)

نیز فرماتے ہیں : وَأَمَّا التَّمَسُّحُ بِالْقَبْرِ، أَيَّ قَبْرٍ كَانَ، وَتَقْبِيلُهُ وَتَمْرِيغُ الْخَدِّ عَلَيْهِ، فَمَنْهِيٌّ عَنْهُ بِاتِّفَاقِ الْمُسْلِمِينَ، وَلَوْ كَانَ ذٰلِكَ مِنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ، وَلَمْ يَفْعَلْ هٰذَا أَحَدٌ مِّنْ سَلَفِ الْأُمَّةِ وَأَئِمَّتِهَا، بَلْ هٰذَا مِنَ الشِّرْكِ، قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى : ﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَاسُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ❁ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾ (نوح71: 23-24)، وَقَدْ تَقَدَّمَ أَنَّ هٰؤُلَاءِ أَسْمَاءُ قَوْمٍ صَالِحِينَ، كَانُوا مِنْ قَوْمِ نُوحٍ، وَأَنَّهُمْ عَكَفُوا عَلٰى قُبُورِهِمْ مُدَّةً، ثُمَّ طَالَ عَلَيْهِمُ الْأَمَدُ، فَصَوَّرُوا تَمَاثِيلَهُمْ، لَاسِيَّمَا إِذَا اقْتَرَنَ بِذٰلِكَ دُعَاءُ الْمَيِّتِ وَالِاسْتِغَاثَةُ بِهٖ ....

’’قبر کسی کی بھی ہو، اس کو (تبرک کی نیت سے) چھونا، اس کو بوسہ دینا اور اس پر اپنے رخسار ملنا منع ہے اور اس بات پر سب مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ یہ کام انبیائے کرام کی قبور مبارکہ کے ساتھ بھی کیا جائے تو اس کا یہی حکم ہے۔ اسلافِ امت اور ائمہ دین میں سے کسی نے ایسا کام نہیں کیا، بلکہ یہ کام شرک ہے، جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے : ﴿وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَاسُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ❁ وَقَدْ اَضَلُّوْا كَثِيْرًا﴾(نوح71: 23-24)[وہ (قوم نوح کے مشرکین) کہنے لگے: ہم کسی بھی صورت وَدّ، سُوَاع، یَغُوث، یَعُوق اور نَسر کو نہیں چھوڑیں گے۔ (یوں) انہوں نے بے شمار لوگوں کو گمراہ کر دیا]۔ یہ بات بیان ہو چکی ہے کہ یہ سب قوم نوح میں کے نیک لوگوں کے نام تھے۔ ایک عرصہ تک یہ لوگ ان کی قبروں پر ماتھے ٹیکتے رہے، پھر جب صدیاں بیت گئیں تو انہوں نے ان نیک ہستیوں کی مورتیاں گھڑ لیں۔ قبروں کی یہ تعظیم اس وقت خصوصاً شرک بن جاتی ہے جب اس کے ساتھ ساتھ میت کو پکارا جانے لگے اور اس سے مدد طلب کی

جانے لگے۔۔۔'' (مجموع الفتاوی: 27/91-92)

شیخ موصوف ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: اِتَّفَقَ السَّلَفُ عَلٰی أَنَّهٗ لَا يَسْتَلِمُ قَبْرًا مِّنْ قُبُورِ الْأَنْبِيَاءِ وَغَيْرِهِمْ، وَلَا يَتَمَسَّحُ بِهٖ، وَلَا يُسْتَحَبُّ الصَّلَاةُ عِنْدَهٗ، وَلَا قَصْدُهٗ لِلدُّعَاءِ عِنْدَهٗ أَوْ بِهٖ؛ لِأَنَّ هٰذِهِ الْأُمُورَ كَانَتْ مِنْ أَسْبَابِ الشِّرْكِ وَعِبَادَةِ الْأَوْثَانِ. ''سلف صالحین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قبریں انبیائے کرام کی ہوں یا عام لوگوں کی، ان کو نہ بوسہ دینا جائز ہے، نہ اس کو (تبرک کی نیت سے) چھونا۔ قبروں کے پاس نماز کی ادائیگی اور دعا کی قبولیت کی غرض سے قبروں کے پاس جانا یا ان قبروں کے وسیلے سے دُعا کرنا مستحسن نہیں۔ یہ سارے کام شرک اور بت پرستی کا سبب بنتے ہیں۔'' (مجموع الفتاوی: 27/31)

علامہ ابن الحاج (م: 737ھ) قبر نبوی کے بارے میں بات کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

فَتَرٰی مَنْ لَّا عِلْمَ عِنْدَهٗ يَطُوفُ بِالْقَبْرِ الشَّرِيفِ، كَمَا يَطُوفُ بِالْكَعْبَةِ الْحَرَامِ، وَيَتَمَسَّحُ بِهٖ وَيُقَبِّلُهٗ، وَيُلْقُونَ عَلَيْهِ مَنَادِيلَهُمْ وَثِيَابَهُمْ، يَقْصِدُونَ بِهِ التَّبَرُّكَ، وَذٰلِكَ كُلُّهٗ مِنَ الْبِدَعِ، لِأَنَّ التَّبَرُّكَ إِنَّمَا يَكُونُ بِالِاتِّبَاعِ لَهٗ ـ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ ـ وَمَا كَانَ سَبَبُ عِبَادَةِ الْجَاهِلِيَّةِ لِلْأَصْنَامِ إِلَّا مِنْ هٰذَا الْبَابِ. ''آپ جاہلوں کو دیکھیں گے کہ وہ نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک کا کعبہ کی طرح طواف کرتے ہیں، اور تبرک کی نیت سے اس کو چھوتے ہیں، بوسہ دیتے ہیں، اس پر اپنے رومال اور کپڑے ڈالتے ہیں۔ یہ سارے کام بدعت ہیں، کیونکہ برکت تو صرف اور صرف آپ علیہ السلام کے اتباع سے حاصل ہوتی ہے۔ دور جاہلیت میں بتوں کی عبادت کا سبب یہی چیزیں بنی تھیں۔'' (المدخل: 1/263)

احمد ونشریسی (م: 914ھ) لکھتے ہیں: وَمِنْهَا تَقْبِيلُ قَبْرِ الرَّجُلِ الصَّالِحِ أَوِ الْعَالِمِ، فَإِنَّ هٰذَا كُلَّهٗ بِدْعَةٌ. ''ان کاموں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ کسی

نیک شخص یا عالم کی قبر کو چوما جائے۔ یہ سب کام بدعت ہیں۔‘‘(المعیار المعرب : 490/2)

روایت نمبر ⑦ : حاتم بن وردان کا بیان ہے :

كَانَ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيزِ يُوَجِّهُ بِالْبَرِيدِ قَاصِدًا إِلَى الْمَدِينَةِ، لِيُقْرِئَ عَنْهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ . ’’امام عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ ایک قاصد کو ڈاک دے کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ کرتے کہ وہ ان کی طرف سے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرے۔‘‘(شعب الإیمان للبیهقي : 3869)

تبصرہ : اس روایت کی سند ’’ضعیف‘‘ اور باطل ہے، کیونکہ :

① اس کے راوی ابراہیم بن فراس کی توثیق نہیں ملی۔

② اس کا استاذ احمد بن صالح رازی بھی ’’مجہول‘‘ ہے۔

روایت نمبر ⑧ : یزید بن ابوسعید مقبری بیان کرتے ہیں :

قَدِمْتُ عَلٰى عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الْعَزِيزِ، إِذْ كَانَ خَلِيفَةً، بِالشَّامِ، فَلَمَّا وَدَّعْتُهُ قَالَ : إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، إِذَا أَتَيْتَ الْمَدِينَةَ فَتَرٰى قَبْرَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَاقْرَئْهُ مِنِّي السَّلَامَ .

’’میں امام عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کی خلافت کے زمانے میں ان کے پاس شام میں گیا۔ جب میں واپس ہونے لگا تو انہوں نے فرمایا: مجھے تم سے ایک کام ہے، وہ یہ کہ جب مدینہ منورہ میں جاؤ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کی زیارت کرو تو میری طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام پیش کرنا۔‘‘

(شعب الإیمان للبیهقي : 3870، تاریخ دمشق لابن عساکر : 203/65)

تبصرہ : اس قول کی سند ’’ضعیف‘‘ ہے۔ اس کا راوی رباح بن بشیر ’’مجہول‘‘ ہے۔ امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ نے اسے ’’مجہول‘‘ قرار دیا ہے۔

(الجرح والتعدیل لابن أبي حاتم : 490/3)

امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 242/8) کے سوائے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔

روایت نمبر ⑨ : ابو اسحاق قرشی کہتے ہیں :

كَانَ عِنْدَنَا رَجُلٌ بِالْمَدِينَةِ، إِذْ رَأٰى مُنْكَرًا لَّا يُمْكِنُهُ أَنْ يُّغَيِّرَهُ، أَتَى الْقَبْرَ، فَقَالَ :

أَيَا قَبْرَ النَّبِيِّ وَصَاحِبَيْهِ .... أَلَا يَا غَوْثَنَا، لَوْ تَعْلَمُونَا .

''مدینہ میں ہمارے قریب ایک آدمی رہتا تھا۔ جب وہ کسی ایسی برائی کو دیکھتا جس کو ختم کرنے کی اس میں طاقت نہ ہوتی تو نبی اکرم ﷺ کی قبر مبارک پر حاضر ہوتا اور کہتا : اے نبی اکرم ﷺ اور آپ کے دو ساتھیوں (سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ عنہما) کی قبر! اگر آپ ہمیں جانتے ہیں تو ہماری مدد کیجیے!'' (شعب الإيمان للبيهقي : 3879)

تبصرہ : اس روایت کی سند میں ابو اسحاق قرشی کون ہے؟ اس کا تعین درکار ہے، نیز اس کی توثیق بھی مطلوب ہے۔

روایت نمبر ⑩ : سلیمان بن سُحَیم بیان کرتے ہیں :

رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ، قُلْتُ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ ! هٰؤُلَاءِ الَّذِينَ يَأْتُونَكَ، فَيُسَلِّمُونَ عَلَيْكَ، أَتَفْقَهُ سَلَامَهُمْ ؟ قَالَ : «نَعَمْ، وَأَرُدُّ عَلَيْهِمْ» .

''میں نے خواب میں نبی اکرم ﷺ کی زیارت کی تو آپ سے عرض کیا : اللہ کے رسول! یہ لوگ جو آپ کی قبر مبارک پر حاضر ہو کر سلام پڑھتے ہیں، کیا آپ ان کے سلام کو سمجھتے ہیں؟ فرمایا : ہاں، میں ان کو جواب بھی دیتا ہوں۔''

(شعب الإيمان للبيهقي : 3868)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ ابن ابو رجال کا سلیمان بن سُحَیم سے سماع ثابت نہیں ہو سکا۔

روایت نمبر ⑪ : نُبَیہ بن وہب سے روایت ہے کہ کعب احبار رحمہ اللہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔سیدہ رضی اللہ عنہا نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر کیا۔کعب کہنے لگے: جب بھی دن طلوع ہوتا ہے،ستر ہزار فرشتے اترتے ہیں۔وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو گھیر لیتے ہیں اور قبر پر اپنے پَر لگاتے ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھتے ہیں۔''

(الزهد للإمام عبد الله بن المبارك : 1600، مسند الدارمي :47/1، ح : 94، فضل الصلاة على النبي لإسماعيل بن إسحاق القاضي : 102، حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 390/5)

تبصرہ : اس روایت میں نُبَیہ بن وہب،کعب احبار سے بیان کر رہے ہیں، جبکہ ان کا کعب احبار سے سماع ولقاء ثابت نہیں۔یوں یہ سند ''منقطع'' ہے۔

امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (238-321ھ) ایک ''منقطع'' روایت کے بارے میں لکھتے ہیں:

فَدَخَلَ هٰذَا الْحَدِيثُ فِي الْأَحَادِيثِ الْمُنْقَطِعَةِ الَّتِي لَا يَحْتَجُّ أَهْلُ الْإِسْنَادِ بِمِثْلِهَا .

''یہ حدیث منقطع روایات میں سے ہے،جنہیں محدثین کرام قابل حجت نہیں سمجھتے۔''

(شرح مشكل الآثار للطحاوي : 326/10، ح : 4140)

دین قرآنِ کریم اور صحیح احادیث سے ثابت شدہ تعلیمات کا نام ہے۔سند امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوۃ والسلام کا امتیازی وصف اور خاص شناخت ہے۔مسلمانوں کا پورا دین صحیح احادیث میں موجود ہے۔دین اسلام کو ''ضعیف'' اور من گھڑت روایات کی کوئی ضرورت نہیں۔ایسی روایات کو اپنانا کسی مسلمان کو زیبا نہیں۔اہل حق کو صرف وہی احادیث کافی ہیں، جو محدثین کے اجماعی اصولوں کے مطابق صحیح ہیں۔

دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح احادیث ہی پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

آمین!

غنیۃ الطالبین اور شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ

حافظ ابو یحییٰ نورپوری

غنیۃ الطالبین، شیخ عبد القادر جیلانی بن عبد اللہ بن جنکی دُوست رحمہ اللہ (488-561ھ) کی تصنیف ہے۔اس کی سند شیخ جیلانی رحمہ اللہ تک ''صحیح'' ہے، جیسا کہ:

① محدثِ عراق عمر بن علی بن عمر قزوینی رحمہ اللہ (683-750ھ) فرماتے ہیں:

وَجَمِيعُ مُؤَلَّفَاتِ الْإِمَامِ الْعَارِفِ مُحْيِي الدِّينِ أَبِي مُحَمَّدٍ عَبْدِ الْقَادِرِ ابْنِ أَبِي صَالِحِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْجِيلِيِّ، رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، كَكِتَابِ (الْغُنْيَةِ)، وَغَيْرِهٖ، مَعَ جَمِيعِ مَرْوِيَّاتِهٖ، أَرْوِيهَا عَنْ أَبِي عَبْدِ اللّٰهِ مُحَمَّدِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ بْنِ أَبِي الْقَاسِمِ، وَأَبِي بَكْرِ بْنِ أَبِي السَّعَادَاتِ بْنِ مَنْصُورٍ الْأَنْبَارِيِّ الْخَطِيبِ، وَالْقَاضِي سُلَيْمَانَ بْنِ حَمْزَةَ بْنِ أَحْمَدَ الْمَقْدِسِيِّ وَغَيْرِهِمْ إِجَازَةً، عَنْ أَبِي الْعَبَّاسِ أَحْمَدَ بْنِ يَعْقُوبَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الْمَارَسْتَانِيِّ كَذٰلِكَ، عَنِ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ الْجِيلِيِّ كَذٰلِكَ. ح، وَبِرِوَايَةِ الْأَوَّلِ أَيْضًا، عَنْ نَّقِيبِ النُّقَبَاءِ مَتِينِ الدِّينِ أَبِي الْقَاسِمِ هِبَةِ اللّٰهِ بْنِ أَحْمَدَ بْنِ عَبْدِ الْقَادِرِ ابْنِ الْمَنْصُورِ بِاللّٰهِ أَمِيرِ الْمُؤْمِنِينَ، وَغَيْرِهٖ، إِجَازَةً أَيْضًا، عَنِ الشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ كَذٰلِكَ .

''شیخ، امام، عارف، محی الدین، ابو محمد، عبدالقادر بن ابو صالح بن عبد اللہ جیلی رحمہ اللہ کی تمام تصانیف، مثلاً غنیۃ الطالبین وغیرہ اور ان کی تمام روایات میں درج ذیل سند سے بیان کرتا ہوں: میں اپنے اساتذہ ابوعبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن عمر بن ابوالقاسم، ابوبکر بن ابوالسعادات بن منصور انباری خطیب، قاضی سلیمان بن حمزہ بن احمد مقدسی وغیرہ سے اجازتاً بیان کرتا ہوں۔وہ سب ابوالعباس احمد بن یعقوب بن عبد اللہ مارستانی سے اسی طرح اجازتاً بیان کرتے ہیں اور وہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ سے اسی طرح۔دوسری سند یوں ہے کہ میرے وہی تینوں اساتذہ امیر المومنین، نقیب النقباء، متین الدین، ابوالقاسم ہبۃ

اللہ بن احمد بن عبدالقادر بن منصور باللہ وغیرہ سے اجازتاً روایت کرتے ہیں اور وہ شیخ عبد القادر رحمہ اللہ سے اسی طرح بیان کرتے ہیں۔''(مشيخة القزويني، ص : 535)

اب اس سند کے تمام راویوں کی توثیق ملاحظہ فرمائیں :

(ا) محدثِ عراق علی بن عمر قزوینی کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

اَلْحَافِظُ الْكَبِيرُ، مُحَدِّثُ الْعِرَاقِ، سِرَاجُ الدِّينِ .

''آپ بہت بڑے حافظ اور عراق کے محدث تھے۔آپ کا لقب سراج الدین تھا۔''

(الدرر الكامنة في أعيان المائة الثامنة : 211/4)

(ب) ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ بن عمر بن ابوالقاسم بغدادی (623-707ھ) کے بارے میں خود قزوینی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلشَّيْخُ، الْعَالِمُ، رَشِيدُ الدِّينِ، الْمُقْرِئُ .

(مشيخة القزويني : 294)

ان کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْإِمَامُ، الْعَالِمُ، الْمُحَدِّثُ، الصَّادِقُ، الْخَيِّرُ، بَقِيَّةُ السَّلَفِ، رَشِيدُ الدِّينِ، أَبُو عَبْدِ اللّٰهِ بْنُ أَبِي الْقَاسِمِ، الْبَغْدَادِيُّ، الْمُقْرِئُ، الْمُحَدِّثُ، شَيْخُ الْمُسْتَنْصِرِيَّةِ .

(معجم الشيوخ الكبير : 204/2)

(ج) خطیب ابوبکر انباری (628-710ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اَلْإِمَامُ، نَجْمُ الدِّينِ .(العبر في خبر من غبر : 26/4)

حافظ صفدی رحمہ اللہ (696-764ھ) ان کے بارے میں فرماتے ہیں :

اَلْإِمَامُ، الْفَاضِلُ، نَجْمُ الدِّينِ .(الوافي بالوفيّات : 99/17)

(د) اپنے شیخ سلیمان بن حمزہ بن احمد بن عمر قاضی (628-715ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَكَانَ كَيِّسًا، مُتَوَاضِعًا، حَسَنَ الْأَخْلَاقِ، وَافِرَ الجَلَالَةِ، ذَا تَعَبُّدٍ، وَتَهَجُّدٍ، وَإِيثَارٍ .

''وہ دانا،متواضع،خوش اخلاق،جلیل القدر،عابد،تہجد گزار اور ایثار والے تھے۔''

(المعجم المختصّ بالمحدّثين، ص : 105، معجم الشيوخ الكبير : 268/1)

حافظ صفدی رحمہ اللہ لکھتے ہیں : اَلشَّيْخُ، الْإِمَامُ، الْمُفْتِي الْمَذْهَبِ، مُسْنِدُ الشَامِ . ''وہ شیخ،امام،اپنے مذہب کے مفتی اور شام کے محدث تھے۔''

(الوافي بالوفيّات : 228/15)

حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) فرماتے ہیں :

اَلْقَاضِي، الْمُسْنِدُ، الْمُعَمَّرُ، الرُّحْلَةُ .

''وہ قاضی تھے اور بڑی عمر کے محدث تھے۔انہوں نے طلب ِعلم میں بہت زیادہ سفر کیے۔''(البداية والنهاية : 85/14، طبع دار إحياء التراث العربي)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) لکھتے ہیں :

مُسْنِدُ الْمِصْرِ، وَكَانَ جَيِّدَ الْإِيرَادِ لِدُرُوسِهٖ .

''مصر کے محدث تھے اور اپنے اسباق بخوبی پڑھاتے تھے۔''(الدرر الكامنة : 241/2، وفي نسخة : 285/2، الرقم : 1837)

(۶) ابوالعباس احمد بن یعقوب بن عبد اللہ مارستانی (545-639ھ) کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں : اَلشَّيْخُ، الْمُسْنِدُ، وَكَانَ صَالِحًا، خَيِّرًا، مُعَمَّرًا، وَسَمَاعُهٗ صَحِيحٌ، وَكَانَ رَجُلًا صَالِحًا .

''وہ شیخ اور محدث تھے۔بڑی عمر کے نیک اور دین دار شخص تھے۔ان کا سماع صحیح تھا اور وہ پرہیز گار آدمی تھے۔''(سير أعلام النبلاء : 77/23-78)

حافظ ابن نقطہ (579-629ھ) فرماتے ہیں :

سَمِعْتُ مِنْهُ، وَسَمَاعُهٗ صَحِيحٌ، وَكَانَ رَجُلًا صَالِحًا .

''میں نے اس سے احادیث سنی ہیں۔اس کا سماع صحیح ہے اور یہ نیک شخص تھا۔''

(تاريخ الإسلام للذهبي : 285/14، بتحقيق بشّار)

(و) ابوالقاسم ہبۃ اللہ بن احمد بن عبد القادر بن منصور کے بارے میں قزوینی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں: نَقِيبُ النُّقَبَاءِ، مَتِينُ الدِّينِ .(مشيخة القزويني، ص: 535)

یوں یہ ساری سند بالکل صحیح ہے اور اس سند سے غنیۃ الطالبین، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ سے ثابت ہے۔ والحمدللہ!

② حافظ ذہبی رحمہ اللہ، احمد بن مطیع بن مطیع ابوالعباس باجسرائی (م: 621ھ) کے بارے میں لکھتے ہیں: صَحِبَ الشَّيْخَ عَبْدَ الْقَادِرِ، وَقَرَأَ عَلَيْهِ كِتَابَ [الْغُنْيَةِ] تَصْنِيفَهُ . ''وہ شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ کے پاس رہے اور ان پر ان کی تصنیف غنیۃ الطالبین پڑھی۔''(تاريخ الإسلام: 662/13، بتحقيق بشّار، 45/45، بتحقيق التدمري)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ ذہبی رحمہ اللہ بھی غنیۃ الطالبین کو شیخ جیلانی رحمہ اللہ ہی کی تصنیف سمجھتے تھے۔

③ شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (661-728ھ) نے بھی غنیۃ الطالبین کو شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔(الفتاوى الحمويّة: 477، بيان تلبيس الجهميّة: 214/1)

④ حافظ ابن کثیر رحمہ اللہ (701-774ھ) لکھتے ہیں: وَقَدْ صَنَّفَ كِتَابَ [الْغُنْيَةِ]، وَ [فُتُوحِ الْغَيْبِ] . ''شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین اور فتوح الغیب نامی کتابیں تصنیف کی ہیں۔''(البداية والنهاية: 313/12، طبع دار إحياء التراث)

⑤ حافظ ابن رجب رحمہ اللہ (736-795ھ) فرماتے ہیں:

وَلَهُ كِتَابُ [الْغُنْيَةِ لِطَالِبِي طَرِيقِ الْحَقِّ]، وَهُوَ مَعْرُوفٌ . ''آپ کی کتاب الغنیۃ لطالبی طریق الحق معروف ہے۔''(ذيل طبقات الحنابلة: 198/2-199)

نیز فرماتے ہیں: وَلِلشَّيْخِ عَبْدِ الْقَادِرِ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى كَلَامٌ حَسَنٌ فِي التَّوْحِيدِ، وَالصِّفَاتِ، وَالْقَدَرِ، وَفِي عُلُومِ الْمَعْرِفَةِ مُوَافِقٌ لِّلسُّنَّةِ،........ وَكَانَ مُتَمَسِّكًا فِي مَسَائِلِ الصِّفَاتِ، وَالْقَدَرِ، وَنَحْوِهِمَا بِالسُّنَّةِ،

بَالِغًا فِي الرَّدِّ عَلٰى مَنْ خَالَفَهَا، قَالَ فِي كِتَابِهِ [الْغُنْيَةِ] الْمَشْهُورِ : وَهُوَ بِجِهَةِ الْعُلُوِّ مُسْتَوٍ عَلَى الْعَرْشِ، مُحْتَوٍ عَلَى الْمُلْكِ مُحِيطٌ عِلْمُهُ بِالْاَشْيَاءِ : ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾(فاطر35 : 10)، ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾(السجدة 32 : 5)، وَلَا يَجُوزُ وَصْفُهُ بِأَنَّهُ فِي كُلِّ مَكَانٍ، بَلْ يُقَالُ : إِنَّهُ فِي السَّمَاءِ عَلَى الْعَرْشِ، كَمَا قَالَ : ﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ20: 5)، وَذَكَرَ آيَاتٍ وَّاَحَادِيثَ، إِلٰى أَنْ قَالَ : وَيَنْبَغِي إِطْلَاقُ صِفَةِ الِاسْتِوَاءِ مِنْ غَيْرِ تَأْوِيلٍ، وَأَنَّهُ اسْتِوَاءُ الذَّاتِ عَلَى الْعَرْشِ، قَالَ : وَكَوْنُهُ عَلَى الْعَرْشِ مَذْكُورٌ فِي كُلِّ كِتَابٍ أُنْزِلَ عَلٰى كُلِّ نَبِيٍّ أُرْسِلَ، بِلَا كَيْفٍ، وَذَكَرَ كَلَامًا طَوِيلًا، وَذَكَرَ نَحْوَ هٰذَا فِي سَائِرِ الصِّفَاتِ ....

’’شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ نے توحید، صفاتِ باری تعالیٰ، قضاء وقدر اور علومِ معرفت کے بارے میں سنت کے موافق گفتگو فرمائی ہے۔آپ ؒ صفاتِ باری تعالیٰ اور تقدیر وغیرہ کے مسائل میں سنت کولازم پکڑتے تھے اور مخالفین سنت کا سختی سے ردّ فرماتے تھے۔۔۔آپ نے اپنی مشہور کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے :اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے۔وہ تمام کائنات پر حاوی ہے اور اس کا علم تمام اشیاء کو محیط ہے۔فرمانِ باری تعالیٰ ہے:﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ يَرْفَعُهٗ﴾(فاطر35 : 10)، نیز فرمایا :﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ اِلَيْهِ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗٓ اَلْفَ سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّوْنَ﴾(السجدة 32 : 5)۔اللہ تعالیٰ کے ہر جگہ ہونے کا عقیدہ رکھنا حرام ہے،عقیدہ یہ رکھا جائے گا کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں کے اوپر اپنے عرش پر مستوی ہے،جیسا کہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے :﴿اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ 20: 5)۔

شیخ رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر اور بھی کئی آیات واحادیث ذکر کی ہیں۔ پھر آپ رحمہ اللہ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کی صفتِ استواء کو بغیر تاویل کے تسلیم کیا جائے گا۔ یہ عرش پر ذاتِ باری تعالیٰ کا استواء ہے۔ شیخ جیلانی رحمہ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا عرش پر ہونا ہر مرسل نبی پر نازل شدہ کتاب میں درج ہے۔ اس کی کوئی کیفیت بیان نہیں کی گئی۔ پھر شیخ نے لمبی بحث کی ہے۔ اسی طرح انہوں نے باقی صفات کے بارے میں بھی کتاب وسنت کے مطابق بات کی ہے۔۔۔'' (ذيل طبقات الحنابلة : 2/199-200)

⑥، ⑦ علامہ ابن القیم (691-751ھ) (اجتماع الجيوش الإسلاميّة : 2/227) اور علامہ مرداوی (م : 885ھ) (الإنصاف في معرفة الراجح من الخلاف : 3/73) نے بھی غنیۃ الطالبین کو شیخ رحمہ اللہ کی تصنیف تسلیم کیا ہے۔

⑧ ابن مفلح مقدسی (708-763ھ) لکھتے ہیں : وَقَالَ الشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ فِي الْغُنْيَةِ . ''شیخ عبدالقادر رحمہ اللہ نے غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے۔''

(الآداب الشرعيّة : 1/107)

⑨ حافظ سیوطی کے استاذ سفیری (877-956ھ) کہتے ہیں :

وَقَدْ قَالَ الْعَارِفُ بِاللّٰهِ الرَّبَّانِيُّ، سَيِّدِي عَبْدُ الْقَادِرِ الْكَيْلَانِيُّ فِي كِتَابِهٖ [الْغُنْيَةِ] . ''عارف باللہ ربانی، سیدی عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے۔'' (شرح البخاري : 2/100)

⑩ محمد بن یوسف صالحی شامی (م : 942ھ) لکھتے ہیں :

وَقَالَ الشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْكِيلَانِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰى، وَنَفَعَ بِهٖ، فِي كِتَابِ [الْغُنْيَةِ] . ''شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں فرمایا ہے۔''

(سبل الهدٰى والرشاد في سيرة خير العباد : 7/282)

⑪ علامہ ابن عماد (م : 1089ھ) لکھتے ہیں : وَالشَّيْخُ عَبْدُ الْقَادِرِ الْجِيلِيُّ الزَّاهِدُ، صَاحِبُ [الْغُنْيَةِ] . ''شیخ زاہد عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ

جنہوں نے غنیۃ الطالبین کتاب تصنیف کی ہے۔''(شذرات الذهب : 45/6)

⑫ ابن حجر مکی (م : 974ھ) نے بھی غنیۃ الطالبین کو شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی تصنیف قرار دیا ہے۔(الفتاوى الحديثيّة : 145)

⑬ ملاعلی قاری حنفی ماتریدی (م : 1014ھ) لکھتے ہیں : وَوَقَعَ فِي [الْغُنْيَةِ] لِلْقُطْبِ الرَّبَّانِيِّ السَّيِّدِ عَبْدِ الْقَادِرِ الْجِيلَانِيِّ أَنَّهُ لَمَّا ذَكَرَ الْفِرَقَ الضَّالَّةَ، قَالَ : وَأَمَّا الْحَنَفِيَّةُ، فَفِرْقَةٌ مِّنَ الْمُرْجِئَةِ، وَهُمْ أَصْحَابُ أَبِي حَنِيفَةَ نُعْمَانَ بْنِ ثَابِتٍ . ''قطب ربانی سید عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب غنیۃ الطالبین میں گمراہ فرقوں کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ احناف جو کہ ابوحنیفہ نعمان بن ثابت کے اصحاب ہیں، وہ (گمراہ فرقے) مرجیہ کا ایک گروہ ہیں۔''(شرح مسند أبي حنيفة : 454، مرقاة المفاتيح في شرح مشكاة المصابيح : 1501/4، ح : 2199)

اس کتاب کے کچھ اور نام بھی مذکور ہیں، جیسا کہ علامہ یوسف بن حسن بن احمد بن عبد الہادی دمشقی صالحی (م : 909ھ)(معجم الكتب : 91)، علامہ چلپی (م : 1067ھ)(كشف الظنون عن أسامي الكتب والفنون : 1211/2)، علامہ زرکلی (م : 1396ھ)(الأعلام : 47/4) اور علامہ ابن رجب (ذيل طبقات الحنابلة : 198/2-199) نے اسے شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی کتابوں میں ذکر کرتے ہوئے اس کا نام ''الغنية لطالبي طريق الحق'' یا ''الغنية لطالب طريق الحق'' ذکر کیا ہے۔ بعض اہل علم نے حافظ سخاوی رحمہ اللہ (831-902ھ) کی کتب میں ''البغية في تخريج احاديث الغنية'' کو بھی ذکر کیا ہے۔

ہم انہی حوالوں پر اکتفا کرتے ہیں۔ سمجھ دار اور منصف مزاج شخص کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ غنیۃ الطالبین، شیخ عبد القادر جیلانی رحمہ اللہ سے تواتر کے ساتھ ثابت ہے۔ بعض لوگوں کی طرف سے اس کا انکار کوئی معنیٰ نہیں رکھتا۔

ہمارے علم کے مطابق دنیا میں سب سے پہلے مشہور صوفی عبد الحق بن سیف الدین دہلوی (م : 1052ھ) نے اس کتاب کے شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی تصنیف ہونے کا انکار کیا۔ اس

کے ردّ میں علامہ عبد الحئی لکھنوی حنفی (1264-1304ھ) نے لکھا:

أَمَّا أَوَّلًا، فَلِأَنَّ نِسْبَتَهَا إِلَيْهِ مَذْكُورَةٌ فِي كُتُبِ ابْنِ حَجَرٍ وَّغَيْرِهٖ، مِنَ الْأَكَابِرِ، فَإِنْكَارُ كَوْنِهَا مِنْ تَصَانِيفِهَا غَيْرُ مَقْبُولٍ عِنْدَ الْأَوَاخِرِ .

''یہ دعویٰ کئی وجہ سے مردود ہے،سب سے پہلے تو اس وجہ سے کہ شیخ جیلانی رحمہ اللہ کی طرف غنیۃ الطالبین کی نسبت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ وغیرہ جیسے اکابر اہل علم کی کتب میں مذکور ہے،لہٰذا متاخرین کی طرف سے اس کا انکار قابل التفات نہیں۔۔۔''

(الرفع والتكميل في الجرح والتعديل، ص: 380)

جناب احمد رضا خان بریلوی (1856-1921ء) لکھتے ہیں:

''محدث دہلوی کا تو خیال ہے کہ عبد القادر جیلانی کی تصنیف ہی نہیں،مگر یہ نفی مجرد ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ: 222/29)

جناب احمد یار خان بدایونی بریلوی (1906-1971ء) لکھتے ہیں:

''حضور غوث پاک غنیۃ الطالبین جلد دوم،ص: 48 میں فرماتے ہیں۔۔۔''

(تفسیر نعیمی، پارہ سوم،ص: 617،تحت آیت آل عمران 55:3)

❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁❁❁

سیاہ خضاب کی شرعی حیثیت

ابن الحسن محمدی

رسولِ اکرم ﷺ نے سر یا ڈاڑھی کے سفید بالوں کو رنگ دینے کا حکم فرمایا ہے۔ یہ حکم استحباب پر محمول ہے۔حدیث میں اس استحبابی عمل کو سیاہ خضاب سے سرانجام دینے کی ممانعت آئی ہے۔اس ممانعت کا کیا حکم ہے؟ سیاہ خضاب حرام ہے یا خلافِ اولیٰ؟ یہ مضمون اسی بارے میں مفصل تحقیق پر مبنی ہے۔قارئین کرام اس مضمون سے کما حقہٗ استفادہ کرنے کے لیے بطورِ تمہید تین باتیں یاد رکھیں۔

ایک یہ کہ قرآن وسنت کا وہی فہم معتبر ہے جو سلف صالحین، یعنی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین سے لیا جائے۔سلف صالحین ساری امت سے بڑھ کر قرآن وسنت کو سمجھنے والے اور اس پر عمل کرنے والے تھے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ قرآن وسنت کا کوئی حکم فرضیت کے لیے ہو اور سلف صالحین اسے مستحب سمجھتے رہے ہوں اور شریعت کی کوئی ممانعت حرمت کے لیے ہو اور سلف صالحین اسے خلافِ اولیٰ ہی کا درجہ دیتے رہے ہوں۔اسی طرح اس کے برعکس معاملہ ہے۔اسی لیے بعد میں آنے والے لوگوں کا فہم دین اگر اسلافِ امت کے خلاف ہو تو مردود ہو گا۔ زبانِ نبوی سے اسلافِ امت کو خیر القرون کا جو لقب ملا ہے، اس کا یہی تقاضا ہے۔

دوسرے یہ کہ قرآن وسنت کا ہر حکم فرضیت کے لیے ہوتا ہے، الا یہ کہ کسی قرینے سے اس کا استحباب پر محمول ہونا ثابت ہو جائے اور ہر ممانعت حرمت کے لیے ہوتی ہے، الا یہ کہ کسی قرینے سے اس کا محض کراہت پر محمول ہونا ثابت ہو جائے۔

تیسرے یہ کہ دلیل صرف کتاب وسنت ہے، البتہ کتاب وسنت کو سمجھنے کے لیے جس طرح لغت اور دیگر علوم وفنون کی ضرورت ہے، اس سے کہیں زیادہ صحابہ و تابعین کے فہم کو مدنظر رکھنا لازمی ہے۔کسی مسلمان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ نصوصِ شرعیہ کو سمجھنے کے لیے اہل لغت کی بات تو مانتا رہے، لیکن اسلافِ امت کے قول وفعل کو نظر انداز کرتا رہے۔بعض لوگ لغت اور اصولِ فقہ جیسے علوم سے کتاب وسنت کے اوامر ونواہی کا درجہ متعین کرنے کو عین

شریعت سمجھتے ہیں لیکن صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کے فہم و عمل کے ذریعے ایسا کرنے کو ناجائز اور حرام سمجھتے ہیں۔ یہ انصاف پر مبنی بات نہیں۔

اسی لیے اہل حدیث کا منہج یہ ہے کہ کتاب و سنت کے وہی معانی سمجھے جائیں جو اسلافِ امت نے سمجھے ہیں۔جس حکم شرعی کو اسلاف فرض کا درجہ دیتے تھے ،اس کو اہل حدیث فرض کا درجہ دیتے ہیں اور جس کو اسلاف مستحب سمجھتے تھے، اس کو اہل حدیث مستحب ہی سمجھتے ہیں۔اسی طرح جس ممانعت کو اسلاف حرام کا سمجھتے تھے،اس کا اہل حدیث حرام ہی قرار دیتے ہیں اور جس کو اسلاف صرف خلافِ اولیٰ سمجھتے تھے،اس پر اہل حدیث بھی خلافِ اولیٰ ہی کا حکم لگاتے ہیں۔اہل حق نہ تو سلف سے ایک قدم آگے بڑھتے ہیں، نہ ایک قدم پیچھے رہتے ہیں۔یہی مسلک اہل حدیث ہے۔

اس تمہید کے بعد ہمارے لیے یہ کہنے میں کوئی باک نہیں کہ شریعتِ اسلامیہ میں سیاہ خضاب لگانے کی گنجائش موجود ہے۔اس بارے میں ممانعت حرمت پر دلالت نہیں کرتی۔ اسلافِ امت کا فہم و عمل یہی بتاتا ہے۔

اسلافِ امت کا عمل پیش کرنے سے پہلے قارئین کرام وہ احادیث بھی ملاحظہ فرمالیں جن سے سیاہ خضاب کی ممانعت و حرمت ثابت کی جاتی ہے:

مرفوع احادیث اور ان کا صحیح معنیٰ و مفہوم

حدیث نمبر ① : سیدنا جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ فتح مکہ والے دن سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے والدِ گرامی سیدنا ابوقحافہ رضی اللہ عنہ، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لائے گئے۔ان کے سر اور ڈاڑھی کے بال بالکل سفید تھے۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

«غَيِّرُوا هٰذَا بِشَيْءٍ، وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ» ”اس سفیدی کو کوئی بھی رنگ دے دو،البتہ سیاہ رنگ سے اجتناب کرو۔“(صحيح مسلم : 199/2، ح : 2102)

اس حدیث میں دو باتوں کا حکم موجود ہے،ایک بالوں کو رنگنے کا اور دوسرے سیاہ خضاب سے بچنے کا۔جس طرح بہت سے اسلاف بالوں کو نہیں رنگتے تھے اور ان کے فہم و

عمل کی بنا پر بالوں کو رنگنا فرض نہیں، اسی طرح بہت سے اسلاف سیاہ خضاب لگاتے تھے اور اس کی اجازت بھی دیتے تھے، لہٰذا سلف کے فہم وعمل کی بنا پر سیاہ خضاب بھی حرام نہیں۔ اس حدیثِ پاک میں موجود یہ دونوں حکم استحباب ہی پر محمول ہیں۔

حدیث نمبر ۲ : سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَكُونُ قَوْمٌ يَخْضِبُونَ فِي آخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ، كَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ، لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ» .

''آخری زمانے میں ایک قوم ایسی ہوگی جو کبوتر کے پوٹے کی طرح سیاہ خضاب لگائے گی۔ یہ لوگ جنت کی خوشبو نہیں پائیں گے۔''(سنن أبي داوٗد : 4213، سنن النسائي : 138/8، ح : 5078، مسند الإمام أحمد : 273/1، المعجم الكبير للطبراني : 413/12، التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة : 909، المختارة للضياء المقدسي : 233/10، ح : 244، شرح السنة للبغوي : 3180، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کے بارے میں حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

هٰذَا حَدِيثٌ حَسَنٌ غَرِيبٌ . ''یہ حدیث حسن غریب ہے۔''

(سير أعلام النبلاء : 339/4)

حافظ عراقی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''جید'' کہا ہے۔(تخريج إحياء علوم الدين : 143/1)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ''قوی'' قرار دیا ہے۔(فتح الباري : 499/6)

اس کے راوی عبد الکریم جزری کو حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ نے عبد الکریم بن ابو المخارق سمجھ کر اس پر جرح کی ہے۔(الموضوعات : 55/3)

حالانکہ اس حدیث کی بعض ''صحیح'' سندوں میں عبد الکریم کے جزری ہونے کی صراحت موجود ہے۔

فائدہ : مسند اسحاق بن راہویہ (كما في [النكت الظراف على الأطراف لابن حجر : 424/4]) میں یہ الفاظ ہیں: يَخْضِبُونَ لِحَاهُمْ بِالسَّوَادِ .

''وہ اپنی ڈاڑھیوں کو سیاہ خضاب لگائیں گے۔''

بعض لوگ اس حدیثِ پاک سے سیاہ خضاب کی ممانعت وحرمت پر دلیل لیتے ہیں، لیکن ان کا یہ استدلال کمزور ہے۔پہلی بات تو یہ ہے کہ اسلافِ امت اور محدثین کرام میں سے کوئی بھی سیاہ خضاب کی ممانعت وحرمت کا قائل نہیں۔دوسری یہ کہ اہل علم نے اس حدیث کا یہ معنیٰ ومفہوم بیان نہیں کیا، بلکہ بعض اہل علم نے اس سے سیاہ خضاب کی حرمت و کراہت کے استدلال کا ردّ کیا ہے۔اہل علم کی تصریحات ملاحظہ فرمائیں:

① مشہور محدث، امام ابوبکر ابن ابو عاصم رحمہ اللہ (206-287ھ) فرماتے ہیں:

فَإِنَّهُ لَا دَلَالَةَ فِيهِ عَلٰى كَرَاهَةِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ، فِيهِ الْإِخْبَارُ عَنْ قَوْمٍ هٰذَا صِفَتُهُمْ. ''اس حدیث میں سیاہ خضاب کی کراہت پر کوئی دلیل نہیں۔اس میں تو ایک قوم کے بارے میں خبر دی گئی ہے،جن کی نشانی یہ ہو گی۔''

(فتح الباري في شرح صحيح البخاري لابن حجر: 354/10)

② امام طحاوی حنفی رحمہ اللہ (238-321ھ) لکھتے ہیں:

فَعَقَلْنَا بِذٰلِكَ أَنَّ الْكَرَاهَةَ إِنَّمَا كَانَتْ لِذٰلِكَ، لِأَنَّهُ أَفْعَالُ قَوْمٍ مَّذْمُومِينَ، لَا لِأَنَّهُ فِي نَفْسِهٖ مَذْمُومٌ، وَقَدْ خَضَبَ نَاسٌ مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالسَّوَادِ، مِنْهُمْ عُقْبَةُ بْنُ عَامِرٍ.

''اس سے ہمیں یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ کراہت اس لیے ہے کہ حدیث میں سیاہ خضاب قابل مذمت لوگوں کا فعل ہے۔اس لیے نہیں کہ سیاہ خضاب لگانا فی نفسہٖ مذموم ہے۔''

(شرح مشكل الآثار: 313/9، ح: 3699)

③ حافظ ابن الجوزی رحمہ اللہ (508-597ھ) فرماتے ہیں:

وَاعْلَمْ أَنَّهُ قَدْ خَضَبَ جَمَاعَةٌ مِّنَ الصَّحَابَةِ بِالسَّوَادِ، مِنْهُمُ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَسَعْدُ ابْنُ أَبِي وَقَّاصٍ، وَخَلْقٌ كَثِيرٌ مِّنَ التَّابِعِينَ، وَإِنَّمَا كَرِهَهُ قَوْمٌ لِّمَا فِيهِ مِنَ التَّدْلِيسِ، فَأَمَّا أَنْ يَّرْتَقِيَ إِلٰى دَرَجَةِ التَّحْرِيمِ، إِذْ لَمْ يُدَلِّسْ،

فَيَجِبَ فِيهِ هٰذَا الْوَعِيدُ، فَلَمْ يَقُلْ بِذٰلِكَ أَحَدٌ، ثُمَّ نَقُولُ عَلٰى تَقْدِيرِ الصِّحَّةِ : يَحْتَمِلُ أَنْ يَّكُونَ الْمَعْنٰى : لَا يَرِيحُونَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، لِفِعْلٍ يَّصْدُرُ مِنْهُم، أَوِ اعْتِقَادٍ، لَا لِعِلَّةِ الْخِضَابِ، وَيَكُونُ الْخِضَابُ سِيمَاهُمْ، فَعَرَّفَهُمْ بِالسِّيمَا، كَمَا قَالَ فِي الْخَوَارِجِ : سِيمَاهُمُ التَّحْلِيقُ، وَإِنْ كَانَ تَحْلِيقُ الشَّعْرِ لَيْسَ بِحَرَامٍ .

''آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ صحابہ کرام کی ایک جماعت نے سیاہ خضاب استعمال کیا ہے۔ان میں سیدنا حسن وحسین رضی اللہ عنہما، سیدنا سعد بن ابو وقاص رضی اللہ عنہ شامل ہیں۔ بہت سے تابعین کرام بھی ایسا کرتے تھے۔بعض لوگوں نے اسے اس لیے مکروہ سمجھا ہے کہ اس میں ایک قسم کا دھوکا ہے۔رہی یہ بات کہ سیاہ خضاب کے ذریعے دھوکے کا ارادہ نہ بھی ہوتو اس کا استعمال حرمت کے درجے تک پہنچ جائے اور اس کے استعمال کنندہ پر جنت کی خوشبو سے بھی محرومی کی وعید صادق آ جائے،تو یہ بات آج تک کسی اہل علم نے نہیں کہی۔اگر یہ حدیث صحیح ہوتو اس معنیٰ کا احتمال ہے کہ وہ اپنے کسی غلط عقیدے یا عمل کی بنا پر جنت کی خوشبو سے محروم رہیں گے،سیاہ خضاب کی بنا پرنہیں۔ یہ خضاب تو ان کی ایک نشانی ہے جو رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پہچان کے لیے بتلائی ہے،جس طرح خارجیوں کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ان کی نشانی سر کے بالوں کو منڈانا ہے۔اس کے باوجود سر کے بالوں کو منڈانا حرام نہیں۔''(الموضوعات : 55/3)

ثابت ہوا کہ مذکورہ حدیث میں موجود وعید سیاہ خضاب کی وجہ سے نہیں،ورنہ ''آخری زمانے'' کی قید کا کیا معنیٰ ؟ سیاہ خضاب کا استعمال کرنے والے تو صحابہ کرام سے لے کر ہر دور میں موجود رہے ہیں!!!

④ شارحِ ترمذی،علامہ محمد عبدالرحمٰن،مبارک پوری رحمہ اللہ (1353ھ)فرماتے ہیں :

فَالِاسْتِدْلَالُ بِهٰذَا الْحَدِيثِ عَلٰى كَرَاهَةِ الْخَضْبِ بِالسَّوَادِ لَيْسَ بِصَحِيحٍ .

''اس حدیث سے سیاہ خضاب کے مکروہ ہونے کی دلیل لینا صحیح نہیں۔''

(تحفة الأحوذي : 55/3)

حدیث نمبر ③ : سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «إِنَّ أَحْسَنَ مَا غُيِّرَ بِهِ هٰذَا الشَّيْبُ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ» .

''بڑھاپے کے سفید بالوں کو رنگنے کے لیے بہترین چیز مہندی اور کتم کا آمیزہ ہے۔''

(سنن أبي داوٗد : 4205 ، مسند الإمام أحمد : 147/5 ، 150 ، وسندهٗ صحيحٌ)

اس حدیث کے راوی سعید بن ایاس جُرَیری آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے، البتہ معمر اور عبدالوارث نے ان سے اختلاط سے پہلے احادیث سنی ہیں،لہٰذا یہ حدیث صحیح ہے۔

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ (1753) نے ''حسن صحیح'' اور امام ابن حبان رحمہ اللہ (5474) نے ''صحیح'' قرار دیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ (773-852ھ) ''کتم'' کے بارے میں فرماتے ہیں:

وَالْكَتَمُ نَبَاتٌ بِالْيَمَنِ، يُخْرِجُ الصِّبْغَ أَسْوَدَ، يَمِيلُ إِلَى الْحُمْرَةِ، وَصِبْغُ الْحِنَّاءِ أَحْمَرُ، فَالصِّبْغُ بِهِمَا مَعًا يَخْرُجُ بَيْنَ السَّوَادِ وَالْحُمْرَةِ .

''کتم یمن کے علاقے کی ایک بُوٹی ہے جو سرخی مائل سیاہ رنگ دیتی ہے۔ مہندی کا رنگ سرخ ہوتا ہے۔ یوں کتم اور مہندی مل کر سیاہی اور سرخی کا درمیانی رنگ دیتے ہیں۔''

(فتح الباري : 355/10)

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہی اور سرخی کا درمیانی رنگ سفید بالوں کو دینے کے لیے بہتر اور احسن رنگ ہے۔ اس سے کالے خضاب کی حرمت ثابت نہیں ہوتی۔

ان صحیح احادیث اور ان کے بارے میں اہل علم کی رائے کے بعد سیاہ خضاب کے بارے میں سلف صالحین کا عمل اور فہم ملاحظہ فرمائیں۔

سیاہ خضاب اور سلف صالحین

صحابہ کرام اور سیاہ خضاب :

① سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے : أُتِيَ عُبَيْدُ اللّٰهِ

ابْنُ زِيَادٍ بِرَأْسِ الحُسَيْنِ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَجُعِلَ فِي طَسْتٍ، فَجَعَلَ يَنْكُتُ، وَقَالَ فِي حُسْنِهِ شَيْئًا، فَقَالَ أَنَسٌ : كَانَ أَشْبَهَهُمْ بِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَكَانَ مَخْضُوبًا بِالوَسْمَةِ . ''عبیداللہ بن زیاد کے پاس سیدنا حسین علیہ السلام کا سر مبارک لایا گیا۔اسے ایک پلیٹ میں رکھ دیا گیا۔عبیداللہ زمین کُرید نے لگا اور اس نے سیدنا حسین رضی اللہ عنہ کے حسن کی تعریف کی۔سیدنا انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: سیدنا حسین رضی اللہ عنہ سب صحابہ کرام سے بڑھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مشابہت رکھتے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کے سر کو سیاہ خضاب لگا ہوا تھا۔''(صحيح البخاري :530/1، ح : 3748)

② امام ابوجعفر باقر رحمہ اللہ بیان کرتے ہیں: إِنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ كَانَ يَخْضِبُ بِالسَّوَادِ . ''سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہ سیاہ خضاب سے اپنے بالوں کو رنگ دیتے تھے۔''(المعجم الكبير للطبراني : 22/3، ح : 2535، معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : 1750، وسندهٗ صحيحٌ)

③ حي بن یومن،ابوعشانہ معافری بیان کرتے ہیں:

رَأَيْتُ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ الْجُهَنِيَّ، يَصْبَغُ بِالسَّوَادِ .

''میں نے سیدنا عقبہ بن عامر جہنی رضی اللہ عنہ کو دیکھا ہے۔آپ سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے۔''(مصنف ابن أبي شيبة : 437/8، التاريخ الكبير لابن أبي خيثمة : 1391، الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 345/7، الثقات لابن حبّان : 280/3، المعجم الكبير للطبراني : 268/17، وسندهٗ صحيحٌ متّصلٌ)

ایک روایت میں ہے: إِنَّهُ كَانَ يَصْبَغُ شَعْرَ رَأْسِهِ بِشَجَرَةٍ، يُقَالُ لَهَا : ، كَأَشَدِّ السَّوَادِ . ''آپ اپنے سر کے بالوں کو ایک ۔۔۔ نامی درخت سے رنگ دیتے تھے۔یہ سخت سیاہ رنگ ہوتا تھا۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 8/437، وسندهٗ صحيحٌ)

تابعین عظام اور سیاہ خضاب :

درج ذیل تابعین کرام بھی سیاہ خضاب لگاتے تھے :

④ ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف ،قرشی (م : 94 / 104ھ)

(الطبقات الكبرىٰ لابن سعد : 119/5 ، وسندهٗ صحيحٌ)

⑤ محمد بن اسحاق بن یسار، مدنی (م : 150ھ)

(المعرفة والتاريخ ليعقوب بن سفيان الفسوي : 137/1 ، وسندهٗ صحيحٌ)

⑥ علی بن عبداللہ بن عباس بن عبدالمطلب ،قرشی ، ہاشمی (118ھ)

(الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 240/5 ، وسندهٗ صحيحٌ)

⑦ ابوقلابہ،عبداللہ بن زید بن عمرو، جرمی، بصری (م : 104ھ)

(الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 138/7 ، وسندهٗ صحيحٌ)

⑧ ابوعبداللہ، بکر بن عبداللہ،مزنی ، بصری (م : 106ھ)

(الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 158/7 ، وسندهٗ صحيحٌ)

⑨ قاضی ،محارب بن دثار ،سدوسی ،کوفی (م : 116ھ)

(مسند علي بن الجعد : 725 ، وسندهٗ حسنٌ)

⑩ ابوبکر،محمد بن مسلم بن عبیداللہ بن عبداللہ بن شہاب ،زہری، مدنی (م : 125ھ)

(جامع معمر بن راشد : 155/11 ، وسندهٗ صحيحٌ)

⑪ موسیٰ بن طلحہ بن عبیداللہ،قرشی (م : 103ھ)

(مصنف ابن أبي شيبة : 436/8 ، الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 124/5 ، وسندهٗ حسنٌ)

⑫ نافع بن جبیر بن مطعم بن عدی،قرشی ،نوفلی (م : 99ھ)

(مصنف ابن أبي شيبة : 430/8 ، الطبقات الكبرٰى لابن سعد : 158/5 ، وسندهٗ حسنٌ)

⑬ امام شعبہ بن حجاج کے استاذ عمر بن ابوسلمہ (؟)

(تهذيب الآثار للطبري : 895 ، وسندهٗ صحيحٌ ، الجزء المفقود)

⑭ ابوخطاب، امام قتادہ بن دعامہ بن قتادہ،سدوسی ، بصری (م : بعد 110ھ)

نے فرمایا: رَخَّصَ فِي صِبَاغِ الشَّعْرِ بِالسَّوَادِ لِلنِّسَاءِ .

''عورتوں کے لیے بالوں کو سیاہ خضاب دینے میں رخصت ہے۔''

(جامع معمر بن راشد : 20182، وسندهٌ صحيحٌ)

⑮ عبداللہ بن عون بیان کرتے ہیں: كَانُوا يَسْأَلُونَ مُحَمَّدًا عَنِ الْخِضَابِ بِالسَّوَادِ، فَيَقُولُ : لَا أَعْلَمُ بِهِ بَأْسًا .

''لوگ محمد بن سیرین تابعی رحمہ اللہ (م : 110 ھ) سے سیاہ خضاب کے بارے میں سوال کرتے تھے۔آپ فرمایا کرتے تھے کہ میں اس میں کوئی حرج نہیں جانتا۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 436/8، وسندهٌ صحيحٌ)

تابعین کے کچھ متعارض اقوال :

سابقہ تصریحات قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں،اس کے برعکس :

❀ امام عطاء بن ابو رباح رحمہ اللہ (27-115 ھ) سے سیاہ خضاب استعمال کرنے کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا:

هُوَ مِمَّا أَحْدَثَ النَّاسُ، قَدْ رَأَيْتُ نَفَرًا مِّنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِّنْهُمْ يَخْتَضِبُ بِالْوَسْمَةِ، مَا كَانُوا يَخْضِبُونَ إِلَّا بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ وَهٰذِهِ الصُّفْرَةِ .

''یہ تو لوگوں نے نیا طریقہ بنایا ہے۔میں نے رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کرام کی ایک جماعت کو دیکھا ہے۔ان میں سے کوئی بھی سیاہ خضاب نہیں لگاتا تھا۔صحابہ کرام مہندی اور کتم (سیاہ رنگ دینے والا درخت) ملا کر اور اس زرد رنگ کے ساتھ بالوں کو رنگ دیتے تھے۔''

(مصنف ابن أبي شيبة : 438/8، وسندهٌ صحيحٌ)

امام عطاء رحمہ اللہ نے اپنے علم کے مطابق یہ بیان دیا ہے۔ہم صحابہ کرام کی ایک جماعت سے سیاہ خضاب کا استعمال ثابت کر چکے ہیں۔امام عطاء رحمہ اللہ نے ان صحابہ کرام کو نہیں دیکھا ہوگا جو سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے۔

❀ امام سعید بن جبیر تابعی رحمہ اللہ (م : 95ھ) سے سیاہ خضاب کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: یَکْسُو اللّٰہُ الْعَبْدَ فِي وَجْھِہِ النُّورَ، ثُمَّ یُطْفِئُہٗ بِالسَّوَادِ . ''اللہ تعالیٰ بندے کے چہرے کو منور کرتا ہے، پھر بندہ سیاہ خضاب کے ساتھ اس نور کو بجھا دیتا ہے۔''(مصنف ابن أبي شیبة : 439/8، وسندہٗ صحیحٌ)

خضاب بالوں کو لگایا جاتا ہے، چہرے کو نہیں۔مہندی اور کتم ملا کر خضاب لگایا جائے تو زرد سا رنگ نکلتا ہے اور یہ سنت سے بھی ثابت ہے۔کیا کہا جا سکتا ہے کہ بندے نے نورانی چہرے کو زرد کر لیا؟ جو صحابہ کرام سیاہ خضاب استعمال کرتے تھے،ان کے چہروں سے نور ختم نہیں ہوا تھا۔لہٰذا یہ قول ناقابل التفات ہے۔

❀ امام مکحول تابعی رحمہ اللہ (م : بعد 110ھ) نے سیاہ خضاب کو مکروہ قرار دیا۔

(مصنف ابن أبي شیبة : 438/8، وسندہٗ صحیحٌ)

اس سے کراہت تنزیہی،یعنی خلافِ اولیٰ ہونا مراد ہے۔حدیثِ رسول میں موجود ممانعت سے یہی مراد ہے۔اسلافِ امت میں سے کسی نے سیاہ خضاب کو ناجائز،ممنوع اور حرام قرار نہیں دیا۔

ائمہ دین اور سیاہ خضاب :

امام اسحاق بن راہویہ رحمہ اللہ (م : 294ھ) سے پوچھا گیا کہ عورت سیاہ خضاب استعمال کر سکتی ہے،توانہوں نے فرمایا: لَا بَأْسَ بِذٰلِكَ لِلزَّوْجِ أَنْ تَتَزَیَّنَ لَہٗ .

''عورت اپنے خاوند کے لیے مزین ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔''

(الوقوف والترجّل من الجامع لمسائل الإمام أحمد لأبي بکر الخلّال : 142، وسندہٗ صحیحٌ)

امام مالک رحمہ اللہ (93-179ھ) سیاہ خضاب کے بارے میں فرماتے ہیں :

لَمْ أَسْمَعْ فِي ذٰلِكَ شَیْئًا مَّعْلُومًا، وَغَیْرُ ذٰلِكَ مِنَ الصَّبْغِ أَحَبُّ إِلَيَّ، وَتَرْكُ الصَّبْغِ کُلِّہٖ وَاسِعٌ، إِنْ شَاءَ اللّٰہُ، لَیْسَ عَلَی النَّاسِ فِیہِ ضَیْقٌ .

''میں نے اس بارے میں کوئی متعین بات نہیں سنی۔سیاہ کے مقابلے میں دوسرے

رنگ مجھے زیادہ پسند ہیں۔بالوں کو بالکل نہ رنگنے کی بھی گنجائش ہے۔ان شاء اللہ! بالوں کو خضاب لگانے کے بارے میں لوگوں پر کوئی تنگی نہیں رکھی گئی۔''

(المؤطّأ للإمام مالك برواية يحيٰى : 3497)

سیاہ خضاب کے بارے میں ''ضعیف'' روایات

اب بطور فائدہ اس بارے میں ''ضعیف'' روایات ملاحظہ فرمائیں:

روایت نمبر ① : سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منسوب روایت میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَكُونُ فِي آخِرِ الزَّمَانِ قَوْمٌ، يُسَوِّدُونَ أَشْعَارَهُمْ، لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ».

''آخری زمانے میں ایسے لوگ ہوں گے جو اپنے بالوں کو سیاہ کیا کریں گے۔روزِ قیامت اللہ تعالیٰ ان کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''(المعجم الأوسط للطبراني : 136/4، ح : 3803، الوقوف والترجّل من الجامع لمسائل الإمام أحمد لأبي بكر الخلّال : 160)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ:

① اس کا راوی عبد الکریم بن ابو المخارق ''ضعیف'' ہے۔اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: وَقَدْ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور محدثین کرام نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(اتّخاف المهرة : 719/11)

علامہ عینی حنفی کہتے ہیں: وَإِنْ كَانَ الْجُمْهُورُ عَلٰى تَضْعِيفِهِ.

''جمہور محدثین اس کو ضعیف ہی قرار دیتے ہیں۔''(النهاية في شرح الهداية : 582/11)

② عبد الوہاب بن عطاء خفاف راوی ''مدلس'' ہے۔سماع کی تصریح نہیں مل سکی۔

③ امام طبرانی کے استاذ علی بن سعید رازی ''متکلم فیہ'' ہیں۔حافظ ہیثمی نے انہیں ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔(مجمع الزوائد : 124/3، 357/9، 110/10)

لہٰذا علامہ ہیثمی کا اسی کتاب (مجمع الزوائد : 161/5) میں اس کی سند کو ''جید'' کہنا صحیح نہیں۔

روایت نمبر ②: سیدنا انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے:

كُنَّا يَوْمًا عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَدَخَلَتْ عَلَيْهِ الْيَهُودُ، فَرَآهُمْ بِيضَ اللِّحٰى، فَقَالَ: «مَا لَكُمْ لَا تُغَيِّرُونَ؟»، فَقِيلَ: إِنَّهُمْ يَكْرَهُونَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ «لٰكِنَّكُمْ غَيِّرُوا، وَإِيَّايَ وَالسَّوَادَ».

''ایک روز ہم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر تھے کہ یہود کے کچھ لوگ آپ کے پاس آئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی ڈاڑھیاں سفید دیکھیں تو فرمایا: تمہیں کیا ہے کہ انہیں رنگ نہیں دیتے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہود بال رنگنے کو پسند نہیں کرتے۔ اس پر آپ نے فرمایا: تم بالوں کو رنگو اور سیاہ رنگ سے بچو۔''(المعجم الأوسط للطبراني: 51/1، ح: 142)

تبصرہ: اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔ اس میں ابن لہیعہ راوی جمہور کے نزدیک ''ضعیف''، ''مدلس'' اور ''مختلط'' ہے۔

اس کے بارے میں حافظ نووی فرماتے ہیں: هُوَ ضَعِيفٌ بِالِاتِّفَاقِ، لِاخْتِلَالِ ضَبْطِهِ. ''یہ راوی حافظے کی خرابی کی بنا پر بالاتفاق ضعیف ہے۔''

(خلاصة الأحكام: 625/2)

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: وَابْنُ لَهِيعَةَ ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''ابن لہیعہ کو جمہور محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد: 375/10)

حافظ سخاوی لکھتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔''(فتح المغيث: 221)

حافظ ابناسی کہتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ.

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(الشذا الفيّاح من علوم ابن الصلاح: 201/1)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں: ضَعِيفُ الْحَدِيثِ.

''اس کی حدیث ضعیف ہوتی ہے۔''(تغليق التعليق: 239/3)

روایت نمبر ③ : سیدنا عمرو بن عبسہ سلمی سے مروی ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

«مَنْ شَابَ شَيْبَةً فِي الْإِسْلَامِ ـ أَوْ قَالَ : فِي سَبِيلِ اللّٰهِ ـ كَانَتْ لَهٗ نُورًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ، مَا لَمْ يَخْضِبْهَا أَوْ يَنْتِفْهَا»، قُلْتُ لِشَهْرٍ : إِنَّهُمْ يُصَفِّرُونَ وَيَخْضِبُونَ بِالْحِنَّاءِ؟ قَالَ : أَجَلْ، قَالَ : كَأَنَّهٗ يَعْنِي السَّوَادَ .

''جس شخص کے بال اسلام میں یا اللہ کی راہ میں سفید ہو جاتے ہیں،اس کے بال قیامت کے دن اس کے لیے روشنی بن جائیں گے بشرطیکہ وہ ان کو نہ رنگے اور نہ اُکھیڑے۔ (راویٔ حدیث عبد الجلیل بن عطیہ کہتے ہیں:)میں نے (اپنے استاذ)شہر(بن حوشب)سے پوچھا: مسلمان سفید بالوں کو زرد اور مہندی رنگ دیتے تھے؟ انہوں نے کہا : ہاں۔شاید آپ ﷺ کی مراد سیاہ خضاب ہو۔''(مسند الطيالسي : 1248، مسند أبي يعلٰى [كما في جامع المسانيد والسنن لابن كثير : 6/587، ح : 8352]، شعب الإيمان للبيهقي : 6/386، ح : 5972)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① عبد الجلیل بن عطیہ راوی ''مدلس'' ہے۔اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

② شہر بن حوشب (موثق،حسن الحدیث) کا سیدنا عمرو بن عبسہ سے سماع ولقاء نہیں۔امام ابوحاتم رازی اور امام ابوزرعہ رحمہما اللہ کا یہی فیصلہ ہے۔

(كتاب المراسيل لابن أبي حاتم : 89)

یوں یہ روایت ''منقطع'' ہونے کی بنا پر ''ضعیف'' ہے۔

روایت نمبر ④ : سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

«غَيِّرُوا الشَّيْبَ، وَلَا تُقَرِّبُوهُ السَّوَادَ، وَلَا تَشَبَّهُوا بِأَعْدَائِكُمْ مِّنَ الْمُشْرِكِينَ، وَخَيْرُ مَا غَيَّرْتُمْ بِهِ الشَّيْبَ الْحِنَّاءُ وَالْكَتَمُ» .

’’سفید بالوں کو رنگ دیا کرو لیکن سیاہ رنگ کو بالوں کے قریب نہ لے جاؤ اور اپنے دشمن مشرکین کی مشابہت نہ کرو۔ بالوں کو رنگنے کے لیے سب سے بہتر رنگ مہندی اور کتم کو ملا کر بنتا ہے۔‘‘(المعجم الأوسط للطبراني : 227/5، ح : 5160)

تبصرہ : یہ سند باطل ہے۔اس کا راوی سلم بن سالم بلخی باتفاقِ محدثین ’’ضعیف‘‘ ہے۔

روایت نمبر ⑤ : سیدنا ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

«مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ، سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

’’جس نے سیاہ خضاب استعمال کیا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کا چہرہ سیاہ کر دے گا۔‘‘(مسند الشاميّين للطبراني : 652، الكامل لابن عدي : 222/3، الناسخ والمنسوخ لابن شاهين، ص : 462، ح : 614، الأمالي للشجري : 2/249-250)

تبصرہ : اس کی سند ’’ضعیف‘‘ ہے۔اس کی سند میں زہیر بن محمد خراسانی جمہور کے نزدیک ’’ثقہ‘‘ ہے، لیکن اس سے اہل شام کی روایت ’’ضعیف‘‘ ہوتی ہے، جیسا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : رِوَايَةُ أَهْلِ الشَّامِ عَنْهُ غَيْرُ مُسْتَقِيمَةٍ .

’’اہل شام کی اس سے بیان کردہ روایت صحیح نہیں ہوتی۔‘‘(تقريب التهذيب : 2049)

یہ روایت بھی اہل شام کی ہے، لہٰذا یہ جرح مفسر ہے اور روایت ’’ضعیف‘‘ ہے۔

امام ابوحاتم رازی رحمہ اللہ (195-277ھ) اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں :

هُوَ حَدِيثٌ مَّوْضُوعٌ . ’’یہ من گھڑت حدیث ہے۔‘‘

(علل الحديث لابن أبي حاتم : 299/2)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں : وَسَنَدُهٗ لَيِّنٌ .

’’اس کی سند کمزور ہے۔‘‘(فتح الباري : 355/10)

روایت نمبر ⑥ : عامر شعبی، رسول اللہ ﷺ کا فرمان نقل کرتے ہیں:

«إِنَّ اللّٰهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰى مَنْ يَّخْضِبُ بِالسَّوَادِ، يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

''جو شخص سیاہ خضاب لگاتا ہے، قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اسے (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''(الطبقات الکبریٰ لابن سعد : 340/1)

تبصرہ : یہ سخت ''ضعیف'' روایت ہے، کیونکہ:

① اسے بیان کرنے والے عامر شعبی رحمہ اللہ، صحابی نہیں، تابعی ہیں اور وہ بلاواسطہ نبی اکرم ﷺ سے بیان کر رہے ہیں۔ یوں یہ روایت ''مرسل'' ہے۔

② لیث بن ابوسلیم راوی جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے۔ اس کے بارے میں حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''یہ جمہور کے نزدیک ضعیف ہے۔''(تخريج أحاديث الإحياء : 170/2)

حافظ ہیثمی کہتے ہیں: وَضَعَّفَهُ الْأَكْثَرُ .

''اسے اکثر محدثین نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(مجمع الزوائد : 90/1-91)

حافظ ابن ملقن کہتے ہیں: ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

''یہ جمہور کے ہاں ضعیف راوی ہے۔''(البدر المنير : 104/2)

حافظ بوصیری کہتے ہیں: ضَعَّفَهُ الْجُمْهُورُ .

''اسے جمہور نے ضعیف قرار دیا ہے۔''(زوائد ابن ماجه : 63/1، ح : 54)

③ عبدالرحمٰن بن محمد محاربی راوی ''مدلس'' ہے اور اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔

یوں یہ روایت کئی وجوہ سے ''ضعیف'' ہے۔

روایت نمبر ⑦ : سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: «فَإِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ امْرَأَةً، وَقَدْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ،

''تم میں سے کوئی جب کسی عورت کو نکاح کا پیغام دے، اگر اس نے سیاہ خضاب لگا رکھا ہو تو اسے بتا دے۔ اسے دھوکہ ہرگز نہ دے۔'' فَلْيُعْلِمْهَا، لَا يُغِرَّنَّهَا» .

(السنن الكبرٰى للبيهقي : 290/7)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی عیسیٰ بن میمون مدنی ''ضعیف'' ہے۔ اس کے بارے میں امام بیہقی رحمہ اللہ خود فرماتے ہیں:

عِيسَى بْنُ مَيْمُونٍ ضَعِيفٌ . ''عیسیٰ بن میمون ضعیف راوی ہے۔''

روایت نمبر ⑧ :

سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «مَنْ صَبَغَ بِالسَّوَادِ، لَمْ يَنْظُرِ اللّٰهُ إِلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» . ''جو شخص سیاہ خضاب لگائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''

(مسند الشاميّين للطبراني : 306/2، ح : 1393، تاريخ دمشق لابن عساكر : 114/34)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس کا راوی مثنّٰی بن صباح جمہور محدثین کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مختلط'' ہے۔ اس کے بارے میں حافظ عراقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

ضَعِيفٌ عِنْدَ الْجُمْهُورِ .

''یہ جمہور کے نزدیک ضعیف راوی ہے۔'' (فيض القدير للمناوي : 69/1)

علامہ ہیثمی نے اسے ''متروک'' قرار دیتے ہوئے فرمایا ہے:

وَالْجُمْهُورُ عَلٰى ضَعْفِهٖ . ''جمہور محدثین اسے ضعیف قرار دیتے ہیں۔''

(مجمع الزوائد : 70/5)

روایت نمبر ⑨ :

امام حسن بصری رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: «يَكُونُ أَقْوَامٌ يُّغَيِّرُونَ الْبَيَاضَ بِالسَّوَادِ، (قَالَ مَرَّةً :)

يُغَيِّرُونَ بَيَاضَ اللِّحْيَةِ وَالرَّأْسِ بِالسَّوَادِ، يُسَوِّدُ اللّٰهُ وُجُوهَهُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ» .

''کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو اپنے سر اور ڈاڑھی کے سفید بالوں کو سیاہ خضاب لگائیں گے، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے چہرے سیاہ کر دے گا۔''

(الوقوف والترجّل من الجامع لمسائل الإمام أحمد لأبي بكر الخلّال : 143)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① امام حسن بصری رحمہ اللہ تابعی ہیں اور ڈائریکٹ نبی اکرم ﷺ سے روایت کر رہے ہیں۔اس طرح یہ روایت ''مرسل'' ہونے کی وجہ سے ''ضعیف'' ہے۔

② زہیر بن محمد کا حسن بصری سے سماع مطلوب ہے۔

روایت نمبر ⑩ : صہیب رومی سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا : «إِنَّ أَحْسَنَ مَا اخْتَضَبْتُمْ بِهٖ لَهٰذَا السَّوَادُ، أَرْغَبُ لِنِسَائِكُمْ فِيكُمْ، وَأَهْيَبُ لَكُمْ فِي صُدُورِ عَدُوِّكُمْ» .

''بالوں کو رنگنے کے لیے سب سے اچھا رنگ سیاہ ہے۔یہ تمہیں بیویوں کے لیے زیادہ دلکش بناتا ہے اور تمہارے دشمنوں کے دلوں میں تمہارے زیادہ رُعب کا باعث بنتا ہے۔''

(سنن ابن ماجه : 3625)

تبصرہ : یہ روایت سخت ''ضعیف'' ہے۔اس کا راوی دفاع بن دغفل جمہور کے نزدیک ''ضعیف'' ہے۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''ضعیف'' قرار دیا ہے۔

(تقريب التهذيب : 1827)

اس کا دوسرا راوی عبد الحمید بن صفی بھی ''لین الحدیث'' ہے۔(تقريب التهذيب : 3765)

اس کا تیسرا راوی صفی بن صہیب ''مجہول الحال'' ہے۔(تقريب التهذيب : 2961)

اس میں اور بھی علتیں موجود ہیں۔

روایت نمبر ⑪ : سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے بارے میں ہے :

إِنَّهُ عَرَضَتْ عَلَيْهِ مَوْلَاةٌ لَّهُ أَنْ يَصْبُغَ لِحْيَتَهُ، فَقَالَ : مَا أُرِيدُ تُطْفِئُ نُورِي، كَمَا أَطْفَأَ فُلَانٌ نُورَهُ . ''ان کی لونڈی نے انہیں سیاہ خضاب لگانے کی اجازت چاہی تو انہوں نے فرمایا: میں نہیں چاہتا ہے کہ تُو میرا نور اس طرح بجھا دے جس طرح فلاں شخص نے اپنا نور بجھالیا ہے۔''(معرفة الصحابة لأبي نعيم الأصبهاني : 182)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ اس میں بقیہ بن ولید (موثق، حسن الحدیث) کی ''تدلیس'' ہے۔سماع کی صراحت نہیں مل سکی۔

بقیہ بن ولید کے بارے میں حافظ ابن ناصر الدین دمشقی (777-842ھ) فرماتے ہیں:

وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ عَنِ الثِّقَاتِ، بِلَفْظٍ يَّدُلُّ عَلَى السَّمَاعِ .

''اسے جمہور محدثین نے اس وقت قابل اعتبار سمجھا ہے، جب یہ ثقہ راویوں سے روایت کرے اور سماع کی صراحت کرے۔''(توضيح المشتبه : 59/2)

حافظ ذہبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

وَثَّقَهُ الْجُمْهُورُ فِيمَا سَمِعَهُ مِنَ الثِّقَاتِ .

''اسے جمہور محدثین نے ان روایات میں ثقہ قرار دیا ہے جو اس نے ثقہ راویوں سے خود سن رکھی ہوں۔''(الكاشف : 106-107)

حافظ ابن ملقن رحمہ اللہ (723-804ھ) فرماتے ہیں:

لٰكِنْ بَقِيَّةُ رُمِيَ بِتَدْلِيسِ التَّسْوِيَةِ، فَلَا يَنْفَعُهُ بِتَصْرِيحِهٖ بِالْحَدِيثِ .

''بقیہ بن ولید پر تدلیس تسویہ کا الزام ہے،لہٰذا اس کا (صرف اپنے استاذ سے) سماع کی تصریح کر دینا مفید نہیں۔''(البدر المنير : 509/4)

روایت نمبر ⑫ : ابوقبیل حیئ بن ہانی تابعی کا بیان ہے:

دَخَلَ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ عَلٰى عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، وَقَدْ صَبَغَ رَأْسَهُ وَلِحْيَتَهُ بِسَوَادٍ، فَقَالَ عُمَرُ : مَنْ أَنْتَ ؟ قَالَ : أَنَا عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ، قَالَ عُمَرُ :

عَهْدِي بِكَ شَيْخًا، وَأَنْتَ الْيَوْمَ شَابٌّ، عَزَمْتُ عَلَيْكَ، إِلَّا مَا خَرَجْتَ، فَغَسَلْتَ هٰذَا. ''سیدنا عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس آئے تو انہوں نے اپنے سر اور ڈاڑھی کو سیاہ خضاب لگا رکھا تھا۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : آپ کون ہیں؟ عرض کیا : میں عمرو بن عاص ہوں۔سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے : میں نے تو آپ کو بڑھاپے کی حالت میں دیکھا تھا،لیکن اب آپ جوان نظر آتے ہیں۔میں آپ پر یہ لازم کرتا ہوں کہ یہاں سے جائیں اور اس رنگ کو دھو ڈالیں۔''

(فتوح مصر والمغرب لأبي القاسم عبد الرحمٰن بن عبد الله بن عبد الحكم، ص : 207)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے۔اس میں ابن لہیعہ موجود ہے، جو جمہور محدثین کرام کے نزدیک ''ضعیف'' اور ''مدلس'' ہے۔ كَمَا مَرَّ

روایت نمبر ⑬ : کعب احبار تابعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں :

وَلَيَصْبُغَنَّ أَقْوَامٌ بِالسَّوَادِ، لَا يَنْظُرُ اللّٰهُ إِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ .

''لوگ ضرور سیاہ خضاب استعمال کریں گے۔ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز (نظر رحمت سے) نہیں دیکھے گا۔''(حلية الأولياء لأبي نعيم الأصبهاني : 377/5)

تبصرہ : اس کی سند ''ضعیف'' ہے، کیونکہ :

① اس کا راوی عقیل بن مدرک سلمی ''مجہول الحال'' ہے۔سوائے ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 294/7) کے کسی نے اس کی توثیق نہیں کی۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اسے ''مقبول'' (مجہول الحال) ہی قرار دیا ہے۔(تقريب التهذيب : 4663)

② عقیل بن مدرک کا استاذ ولید بن عامر یزنی بھی ''مجہول الحال'' ہے۔اس کی توثیق بھی سوائے امام ابن حبان رحمہ اللہ (الثقات : 552/7) کے کسی نے نہیں کی۔

فائدہ ① : امام جعفر صادق رحمہ اللہ (م : 148ھ) سے منقول ہے :

اَلْخِضَابُ مَكْبَدَةٌ لِّلْعَدُوِّ، مَرْضَاةٌ لِّلزَّوْجَةِ .

’’خضاب دشمن کو پریشان کرنے اور بیوی کو راضی کرنے کا ذریعہ ہے۔‘‘

(شعب الإيمان للبيهقي : 400/8، ح : 5995)

تبصرہ : اس کی سند ’’ضعیف‘‘ ہے۔اس کے راوی علی بن محمد بن عقبہ شیبانی کی توثیق نہیں مل سکی۔

فائدہ ② : ضمرہ بن ربیعہ بیان کرتے ہیں:

سَمِعْتُ عَبْدَ الْعَزِيزِ بْنَ أَبِي رَوَادٍ يَذْكُرُ، قَالَ : الصُّفْرَةُ خِضَابُ الْإِيمَانِ، وَالْحُمْرَةُ خِضَابُ الْإِسْلَامِ، وَالسَّوَادُ خِضَابُ الشَّيْطَانِ.

’’میں نے عبدالعزیز بن ابو رواد (م : 159ھ) کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ زردی ایمان کا، سرخی اسلام کا اور سیاہی شیطان کا خضاب ہے۔‘‘(تاريخ ابن أبي خيثمة : 383، وسندهٗ صحيحٌ)

تبصرہ : یہ شاذ قول ہے جس میں عبدالعزیز بن ابو رواد کا کوئی سلف نہیں۔ جس کام کو صحابہ کرام اور تابعین کی ایک جماعت نے کیا ہو، اسے شیطانی عمل قرار دینا مناسب نہیں۔یوں یہ قول ناقابل التفات ہے۔

الحاصل : رسولِ اکرم ﷺ سے سیاہ خضاب کے استعمال کی ممانعت وارد ہے،لیکن اسلافِ امت ،یعنی صحابہ و تابعین اور ائمہ دین کی ایک جماعت سے سیاہ خضاب کے استعمال کا جواز ثابت ہے۔جس طرح رسول اللہ ﷺ سے بالوں کو رنگنے کا حکم ثابت ہے،لیکن اسلافِ امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ حکم استحباب پر محمول ہے،اسی طرح اسلافِ امت کے عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ سیاہ خضاب کی ممانعت بھی کراہت پر محمول ہے۔اسے حرام کہنے سے سلف کی مخالفت لازم آتی ہے۔اسلافِ امت سے بڑھ کر دین متین کو کوئی نہیں سمجھ سکتا۔اس لیے سیاہ خضاب کو زیادہ سے زیادہ مکروہ کہا جا سکتا ہے۔

❀❀❀❀❀❀❀